تہذیب
عالمِ خیال
شوق قدوائی۔

عالم خیال

ایک بے اضافت و بے بدل نظم

(ہر چہار رخ)

مصنفہ

مولانا مولوی احمد علی صاحب شوق قدوائی لکھنوی

مصنف ترانۂ شوق قاسم و زہرہ لیل و نہار وغیرہ
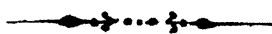
سنہ ۱۹۲۳ء

منروا پبلشنگ کمپنی لکھنؤ نے چھپوا کر شائع کیا

ط سوم — قیمت ۸ر

مقدمہ

عالمِ خیال کی لطیف نظمیں کس پایہ کی ہیں؟ اس کا جواب طرزِ بیان
کی سلاست، بندشوں کی نفاست، زبان کی فصاحت، مضامین کی جدت، فطری
جذبات کی کثرت، غرض اصنافِ سخن میں جتنی خوبیاں اور اُن خوبیوں میں جتنی
دلفریبیاں داخل ہیں، اُن سبھوں کی مجموعی حالت اتنی شہادت دے رہی ہے کہ ان کو
لاجواب تسلیم نہ کرنا سخن فہمی کی قلمرو میں انصاف کا خون کرکے دماغ اور دل کو ظلم کا مجرم بنانا ہے۔
ارسطو کا قول ہے کہ وہ حکیم نہیں جو شاعر نہ ہو، شاعر نہیں جو قدرت کے مناظر اور فطرت
کے جذبات کو سطروں میں نہ جکڑے، شعر نہیں جو اثر کے جادو سے دلوں کو مسخر نہ کرے۔
حکیم کا اطلاق اگرچہ کلاً مفہوم اصلی پر نہ ہو سکے، مگر جزءً یہ لقب اس معنی سے ہندستان کے
مشہور سحر بیان حضرت منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی کو ضرور دینا چاہیے کہ ان کی
نظمیں فلسفیانہ خیالات سے اس طرح بھری ہوتی ہیں جس طرح فضائے بسیط ایتھر (وہ مادہ جس پر
قوت حیات کا دار ہے) سے بھری ہوئی ہے۔ انھیں نظموں کو دیکھ کر فلسفۂ شاعری کا یہ نکتہ

تسلیم کر لینا پڑتا ہی کہ شاعری اور مصوری دونوں ایک مادرِ طبع کے بطن کی وجہ تران توام ہین۔ عالم خیال ہی کی دلفریب نظموں کو دیکھئے، فلسفۂ اخلاق اور فلسفۂ معاشرت انسانی سے کسقدر آراستہ ہین!

فارسی میں شاعری کی جامع تعریف شاید نہ ملے گی۔ یہ دوسری بات ہی کہ مختلف اقوال کو یکجا کر کے ایک نتیجہ نکال لو۔ البتہ انگریزی کے شعرا نے مختصر الفاظ میں اسکی ایسی تعریف کی ہی جسکو جامعیت کے لحاظ سے انسان کا دماغ کہنا چاہیئے۔ کہ دیکھنے میں تو چھوٹا سا مگر ہونے کو تمام عالم کے خیالات کا مرکز ہی مثلاً یورپ کا نامور شاعر شیلی کہتا ہی کہ شاعری فطرت کی مخفی دلفریبیون کے چہرے سے نقاب کو اُلٹ دیتی ہی اور اُسکے جذبات کا ہمارے دلون پر یہ اثر ہوتا ہی کہ جس شے سے ہم کو اُنس نہو اُس سے بھی اُنس پیدا ہو جاتا ہی۔ ملٹن کہتا ہی سب سے زیادہ نظم کی خوبی یہ ہی کہ وہ سیدھے سادے الفاظ مین اور نازک خیالیوں کے ساتھ بااثر ہو۔ حضرت شوق (قدوائی) کی نظمین فلسفہ، سائنس، سینری یا نیچر کے کسی مذاق پر ہون، اور عالم خیال کے چاردن رُخ جو اخلاق اور معاشرت کے دلفریب نقشے نظارے کے سامنے کھینچ رہے ہیں، اُن پر شیلی اور ملٹن کے اصول شاعرانہ سے نگاہیں ڈالی جائیں تو سب تعریفیں ٹھیک اتریں گی۔

انسان کا کوئی خیال دو حدوں سے باہر نہیں جا سکتا، یا وہ محسوسات خارجی کے دائرے میں رہیگا یا داخلی کے۔ انھیں دو حدوں میں شاعری بھی محدود ہی خارجی سے دل پر کم اثر پڑتا ہی اور داخلی سے دلی جذبات متحرک ہو کے رگ و پے میں اسطرح دوڑ جاتے ہیں جسطرح بجلی کا اثر جسم میں دوڑ کے محسوسات انسانی پر حاوی ہو جاتے۔

یہ عالم خیال کی دلکش نظمون کو دیکھئے۔ ان کے ظروف مین مصنف نے محسوسات

داخلی کو اس کثرت کے ساتھ بھر دیا ہے کہ اُن کے جذبات ہر طرف چھلکے پڑتے ہیں اور ندرت
کی دلفریب ادائیں جو حسن معاشرت کو آغوش میں دبائے ہوئے ہیں اپنی کششوں سے
قوت مدرکہ پر بجلی کا اثر ڈال رہی ہیں۔ گویا خیال کے سامنے ادا و تجلی ایک شکل مجسم کھڑی
ہے جسکا حسن دلکو اسطرح کھینچ رہا ہے جسطرح مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے۔

فلسفۂ شاعری یہ قرار دیتا ہے کہ سخن سنجی وہبی ہے بیشک وہبی ہے۔ گر موزونی طبع
وہبی ہے اور کمال فن کسبی بعض جاہل بھی موزوں طبع پائے جائینگے۔ وہ شعر کہیں لیکن
یہ ممکن نہیں کہ قلمرو سخن پر قبضہ کرکے اپنا سکہ بٹھا سکیں۔ اُن کا کھوٹا سکہ اکثر ٹکسال باہر
نظر آئے گا۔ وہ ارادہ کرکے مضامین کی جدت، خیالات کی نزاکت، الفاظ کی سلاست
بیانات کی وسعت اور جذبات فطرت نہیں پیدا کرسکتے۔ انکی شاعری توقع کی مناسبت سے
فصاحت پر قابو رکھتی ہے نہ بلاغت پر۔ انکی سخن آفرینی جنگل کے خودرو پیڑ سے مشابہ ہوگی
جسکی تربیت نہ ہوئی اور جا بجا کجی اور ناہمواری کے عیوب سے بدنما نظر آئے۔ اسی بنا پر اعلیٰ
درجے کے قابل اور بلند پایہ سخن فہم مسٹر مشیر حسین قدوائی نے **عالم خیال** کے پہلے رخ
پر جو ریویو لکھا ہے اُس میں یہ بات بھی ظاہر کی ہے کہ زمانے کے رنگ کے ساتھ اردو شاعری
نے بھی طرز بدل لی۔ گو اُس نے پہلے رکیک شعراء پیدا کیے مگر پھر حضرت شوق قدوائی سے
سے قادر الکلام اُستاد بھی نکلے جن کی نظمیں **حسن** اور **عالم خیال** کے ناموں سے
شاعری کی دُنیا کو محو کرچکی ہیں۔"

۱؎ اس فقرے کا یہ مطلب ہے کہ انگریزی علم ادب کا مذاق پھیلا تو اردو میں جذبات و محسوسات فطری
کی جانب شعراء کے خیالات مائل ہوئے ۱۲

۲؎ یہ ایک جداگانہ نظریہ ہے جو نہایت ہی لغو ہے ۱۲

اِس جملے کے لکھنے سے یہ منشا ہی کہ طبع کی موزونی جس کو فلسفۂ سخن دہبی قرار دے چکا ہی اس کو یہ قدرتِ کلام جو حضرت شوق کی دلکش نظمون مین نظر آرہی ہی بغیر اکتساب اور تکمیل فن کے نہین حاصل ہو سکتی۔

جسطرح شاعری کو مصوری سے تناسب ہی اسی طرح موسیقی سے بھی، اور جسطرح موسیقی سے جذبات روحی جنبش مین آتے ہین اسی طرح اشعار سے بھی۔ یہ بھی ایک فلسفیانہ تناسب ہے جو علمائے فن نے قایم کیا ہی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہی کہ مصوری کی نقاشی اور موسیقی کا تلذذ روحی دونون اوصاف شاعری مین موجود پائے جاتے ہین دیکھو! خیال جو خود بھی مصور ہی اُس نے شاعرانہ قلم سے **عالم خیال** مین وہ نقاشیان کی ہین کہ عورت اور مرد کے محسوساتِ فطری اور جذباتِ دلی الفاظ کے پیرایون کے لباس مین پڑھنے والے کے سامنے آجاتے ہیں، اور اُن سے حسِ باطنی کو ویسا ہی تلذذ روحی حاصل ہوتا ہی جیسا موسیقی سے۔

شاعری کی بحث مین اشعار کے قوی الاثر ہونے کی نسبت **کارلائل** کا یہ قول بہت صحیح ہی کہ اگر خیالات کا اظہار سچے پیرایہ میں نہیں ہوتا تو اشعار کا اثر دیر تک نہیں قائم رہتا۔ مین سچے پیرائے کی شرح یہ کرتا ہون کہ اس تعریف کا انحصار کچھ چشم دید حالت پر نہیں ہی بلکہ ہر ایسا بیان جو فطرت کے سانچے میں ڈھل جائے، با اثر اور دیر پا ضرور ہوگا۔ **عالم خیال** کے چوتھے رُخ مین اظہار شکر رنجی کے لیے عورت کی لفریب اداؤں کا جو نقشہ کھینچا گیا ہی وہ چشم دید نہیں ہی، مگر ایسا ہی کہ گویا آنکھون کے سامنے سچی اداؤن کا دریا لہرین لے رہا ہی۔ اسی دلچسپی سے اس نظم کا اثر دل سے ایسا لپٹ جاتا ہی کہ ہٹائے نہیں ہٹتا۔

عالمِ خیال کے چار دن رخوں پر چار ریویو اس تفصیل سے نکلے ہین:-

(۱) پہلے رُخ پر مسٹر مشیر حسین قدوائی بیرسٹرایٹ لا کا۔

(۲) دوسرے رُخ پر مسٹر محمد سلیمان بیرسٹرایٹ لا کا۔

(۳) تیسرے رُخ پر سیّد مقصود علی آسیوتی کا۔

(۴) چوتھے رُخ پر سیّد شبیر حسن مجسٹریٹ بھوپال کا۔

انگریزی علم ادب کے اعتبار سے مین دونوں قابل بیرسٹرون کی محققانہ نگاہ کو مغربی شاعری کی دنیا مین بہت وسیع پاتا ہون اور اُردو کے اعتبار سے بزم سخن فہمی مین چارون برابر کی کرسیون پر نظر آرہے ہین۔

پہلا رُخ ہندوستان کی ایک ایسی جوان، مگر دل شکستہ، عورت کے قلبی محسوسات اور باطنی خیالات کا مجموعہ ہے، جس کا شوہر پردیس مین ہے، اور اُس کی یاد مین محو اپنے دل سے باتین کر رہی ہے۔

بعض ناواقف جو انسانی فطرت کا مذاق نہین رکھتے، وہ حیات انسانی کے فلسفہ کو نہین سمجھ سکتے اور اسکو نہین سمجھ سکتے تو جذبات قلبی تک ان کی قوت مدرکہ کی رسائی معلوم! انکی نظر فہم کی دنیا مین دل اور زبان کا فرق نہ دیکھ سکے تو تعجب نہ کرنا چاہیئے ان کا ہمزبان صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جو بصارت کے ہونے سے دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھ سکے، حضرت قدوائی بیرسٹر نے اپنے ریویو میں، فطرتِ انسانی پر نہایت قابلیت کے ساتھ فلسفانہ بحث کرتے کرتے ایسے ہی بیناؤں کی نسبت یہ فقرہ نہایت معقول تحریر فرمایا ہے کہ وہ انسانی عالمِ خیال کے فلسفہ سے نابلد محض ہیں۔

ان نظمون کے حصون مین فطرت انسانی کا فلسفہ روح بنکے پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ

بعد خیال بیرسٹر حضرت قدوائی نے اپنے ریویو میں نظموں کے تسلسل کو دکھاتے ہوئے
اخلاق اور معاشرت کے فلسفیانہ خیالات کو ایک دوسرے کے بعد سلسلۂ بیان میں اسطرح
دکھایا ہے جسطرح کوئی موتیوں کو ایک دھاگے میں پرو کے لڑی کو آنکھوں کے سامنے رکھدے
اور پھر مسٹر محمد سلیمان نے بھی اپنے ریویو میں جابجا فطرت انسانی کے فلسفہ پر مناسب
اور معقول بحث کی ہے یہ دونوں جواہر نگار تمغے نظموں کے چمکانے کو کافی ہیں۔

دونوں قابل بیرسٹر علم ادب کے وسیع میدانوں میں جستجو اور تحقیق کی نگاہوں کو
دوڑا کے اس امر پر اتفاق کر چکے ہیں کہ اُردو درکنار یورپ کی زبانوں میں عالم خیال
کی سی دلفریب اور مسلسل نظمیں جنہیں فطرت انسانی کے جذبات بھرے ہوں کہیں نہیں
ہیں۔ یہ فیصلہ صحیح ہے۔ شیکسپیئر نے جذبات کے نقشے کھینچے ہیں لیکن نہ ایسے مسلسل اور
نہ عورت اور مرد کے پاکبازانہ برتاؤ در حصر محبت کے ساتھ۔ حضرت شوق قدوائی کے
کمال سخنوری پر مسٹر محمد سلیمان کا یہ فقرہ موتیوں میں تولنے کے قابل ہے کہ مرد کا قلم
عورت کا دل بن کر بول رہا ہے۔ اس سے زیادہ کمال فن اور قدرت کمال کی
بلیغ تعریف نہیں ہو سکتی۔

فطرت انسانی کا فلسفہ ایسا نازک ہے کہ اُس کا راستہ چلنے میں بغیر کافی علم اور
ذاتی تجربہ کے اگر لوگ غلط فہمی کے خارزار میں الجھ جائیں تو کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے
اگر حضرت قدوائی بیرسٹر نے یورپ اور ایشیا کی عورتوں کا فلسفیانہ موازنہ کر کے یہ ثابت کر دیا
ہوتا کہ میزان فطرت میں دونوں ملکوں کی عورتوں کے خیالات انسانی کا وزن برابر ہے
تو شاید بعض لوگ عالم خیال کو دیکھ کر فطرت انسانی کے سیدھے راستے سے بہک
جاتے پر اب یہ فطرت انسانی ایک ہی سی ہے۔ اگر سوسائٹی کا اثر طرز معاشرت میں فرق

کردے تو وہ فطرت کا اختلاف نہیں ہے بلکہ تعلیم، تمدن، اور ترکیب بود و باش نے دونوں کی رفتار زندگی کو مختلف راہوں پر ڈالدیا۔ اس حالت کو ہم طبیعی نہیں کہہ سکتے دیکھو! ہندستان کی شریف عورت، جسکو سوسائٹی کا غلبہ طرز معاشرت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے حجاب کی کوٹھری میں بند رکھتا ہے، اور جو بیوہ ہو جانے پر عقد ثانی کے خیال کو بھی بڑا گناہ سمجھتی ہے، اُس کی زندگی کے سامان آسایش اور اسباب آرایش کا دار و مدار صرف اُسی شوہر پر ہے، جس نے عقد کے ذریعے سے، سوسائٹی کے ہاتھوں، اس کا استمراری پٹا حاصل کرلیا۔ ایسی پاکباز عورت کے جذبات قلبی اور خیالات دلی جسقدر اپنے شوہر کی محبت کے ساتھ وابستہ ہیں اسی قدر ایسے ملک کی عورت کے نہیں ہوسکتے جہاں کی سوسائٹی عورت کو شوہروں کی ورق گردانی میں آزادی دیے ہوئے ہے۔

باطنی وسوسے اور داخلی خیالات خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں، مردوں اور عورتوں کے دلوں پر ایک ہی قوت کے ساتھ قبضہ کیے ہوئے ہیں۔ انکی روک ٹوک کے لیے قانون فطرت نے چوپہرا نہیں قائم کر رکھا ہے۔ شاید یہ کلیہ بلا استثنا ہو اور اس کی شہادت ہر انسان کا قلب خود ہی پیش کردے۔

پہلے، تیسرے اور چوتھے ریویو میں سخن سنج محققوں نے اردو شاعری پر بھی مختصر مگر معقول بحث کی ہے، اور اُسی لپیٹ میں ایشیا کی عام شاعری بھی آگئی ہے۔ جہانتک میں واقف ہوں، یہ کہہ سکتا ہوں کہ سنسکرت میں کالی داس اور بھاشا میں تلسی داس نے فطری جذبات کے دکھلانے میں بادرسے کام لیا ہے۔ یہ دعویٰ ایسا نہیں جسے سمجھنے والے کو انکار ہوسکے۔ اُردو میں بھی میر انیس کے مرثیے نظر

جذبات دلکش کی گفتگوؤں سے بھرے ہوئے ہیں، لیکن ان سبھوں کی تصنیفات کے
متعلق بھی میرے دعوے پر یہی فیصلہ صادر ہو سکتا ہے جو قابل پیرسٹرز ونے اپنے ریویو
میں شکسپیر کی نظموں کے متعلق صادر کیا ہے۔ اُس فیصلے کے ناطق ہونے میں کچھ کلام
نہیں اس لیے کہ عالم خیال کی سی مسلسل نظم کوئی نہیں ہے، جس میں اخلاق اور
معاشرت کو آغوش میں لیے ہوے پاکباز عورت اور نیک سرشت مرد کے قلبی خیالات اور
فطری جذبات ایک دوسرے کے بعد یوں نظر آئیں جس طرح بارش کے پانی کی
بوندیں سلسلے کے ساتھ ٹپک رہی ہوں۔

اب عربی کی شاعری کو دیکھیے کہ اسکی قدیم شاعری میں فطرت کا مذاق بھی ہے اور
سلسلہ بھی، اگرچہ نازک خیالیاں اس میں کم ہیں۔ عربی کے قدیم شعرا نے مناظر کو نہایت
خوبی اور تسلسل کے ساتھ دکھایا ہے، مگر اُن کے مناظر کا دائرہ ملک عرب کے ریگستان اور
کوہستان سے تجاوز نہ کر سکا، اور قدیم شاعری اُسی تنگ دائرہ میں سمٹی رہی۔ اس کا
سبب یہ ہے کہ اُن شعرا کی نگاہیں دوسرے ملکوں کی چیزوں سے ناآشنا تھیں۔

میں نے ابھی کہا ہے کہ عربی کی قدیم شاعری میں نازک خیالی کم ہے اور مناظر بہت۔
لیکن جو نازک ہے، وہ بہت ہی لطیف اور دلفریب ہے۔ مثلاً امراء القیس کے
قصیدے کا ایک شعر لکھتا ہوں، جس کی نازک خیالی اور فصاحت ایسی پرلطف ہے،
کہ پڑھنے والے پر وجد کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ قصیدہ سبعہ معلقہ کا ہے اور
اس میں افصح البیان شاعر نے اپنی معشوقہ کی حالتوں کا نقشہ سلسلے کے ساتھ کھینچا ہے۔
مناظر کا تسلسل ربط کے ساتھ خود اس لاجواب قصیدے کا ایک لطف ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

خَرَجْتُ بِهَا تَمْشِي تَجُرُّ وَرَاءَنَا　　عَلَى أَثَرَيْنَا ذَيْلَ مِرْطٍ مُرَحَّلِ

معنی یہ ہیں کہ "میں اُس (معشوقہ) کو باہر لایا، اور وہ ہم دونوں کے (یعنی اپنے اور میرے) نقشِ پا پر اپنی ردائے منقش کے دامن کو کھینچتی ہوئی چلتی تھی"۔ لطیف گو شاعر نے خیال کی نزاکت اور بیان کی نفاست کے ساتھ یہ بات دکھائی ہے کہ معشوقہ کس لربانہ انداز سے پاؤں کے نشانات کو مٹا مٹا کے راز کو چھپا رہی تھی۔

عرب کی قدیم شاعری نے آخر پلٹا کھایا اور اسکی سرزمین پر **متنبی** ایسے بلند پرواز شعرا پیدا ہوئے جنکی نگاہیں مناظر سے گذر کے نازک خیالیوں کے ساتھ استعارات اور تشبیہات کی صورتوں کو عرش سے کھینچ کے صفحوں کے میدانوں میں لانے لگیں۔ خیالات کی نزاکت اور مضامین کی بلندی تو قبضے میں آئی لیکن فطرتی مناظر کی قلمرو ہاتھوں سے نکل گئی اور محالاتِ عقلی نے نظموں میں جگہ حاصل کر لی۔ دیکھو! **متنبی** کہتا ہے؎

لَیَا لَیتمَا قدم سعیت الی العُلیٰ ادم الھلال لاخمصیک حذاءُ

معنی یہ ہیں کہ "اے (ممدوح) تو کن پاؤں سے بلندی پر رسا ہوا کہ ہلال کی جلد بدن تیرے قدموں کی پاپوش ہو گئی ہے"۔ اب دونوں اشعار کا موازنہ کر کے مذاقِ سخن کے تغیر کو دیکھئے۔ **متنبی** کا ممدوح ہارون تھا۔ اس وقت کے علمی جوش اور تعلی پسند طبایع نے شاعری کی طبیعت کو اپنے رنگ پر کھینچ لیا، اور استعارات دور از واقعہ عقل کے دائرے سے متجاوز ہو کے فہم کو چکر میں ڈالنے لگے۔

میں نے تسلیم کیا ہے کہ عربی کی قدیم شاعری میں سلسلۂ بیان موجود ہے بیشک ہے۔ مگر ہندوستان کی سی دلفریب ادائیں عرب میں کہاں۔ ان اداؤں کے تسلسل نے جو لطافتیں **عالمِ خیال** کی نظموں میں پیدا کی ہیں اور جیسے فطرت کے نقشے ان میں کھینچے ہوئے ہیں اُن کی نازک خیالیاں ایسے جذباتِ انسانی کے ساتھ کہیں اور نہیں ملتیں

امراء القیس کی مسلسل نظم سب دیکھ جائیے۔ چوٹی کا شعر بس ایک ہی ہے جو مثالاً پیش کیا گیا ہے اور اشعار مناظر کے ہیں مگر وہی ملک عرب کے مناظر۔ فصاحت کا پایہ سبعہ معلقہ سے خود اپنی بلندی کی شان دکھا رہا ہے نظم ایسی لاجواب کہ خانۂ کعبہ پر جواب کی طلب میں آویزاں کی گئی اور کسی سے جواب نہ ہوسکا لیکن ہم لوگوں کا مذاق کچھ ہندوستان کی دلفریبیوں اور کچھ انگریزی علم ادب کے پھیلنے سے فطرت کے جذبات انسانی کو ڈھونڈھتا ہے۔ یہ خوبیاں اگر نظر آئیں تو قوت بیان، لطافت زبان اور قدرت کلام کے ساتھ عالم خیال کی دلکش نظموں کے سلسلے میں نظر آئیں۔

فارسی کی شاعری جس نے اردو کی شاعری کو پیدا کر کے گود میں پالا ہے اسکی نسبت لکھوں تو کیا لکھوں۔ اس میں عورت اور مرد کے فطری جذبات اور قلبی محسوسات کا پتا نہیں۔ کم کم ایسے خیالات جو واقعات ذہنی اور واردات قلبی سے متعلق ہوں غزلوں کے متفرق اشعار میں پائے جاتے ہیں اور وہ بھی بیشتر امرد پرستی کے ساتھ امرد پرستی ایک ایسی شرمناک حالت ہے جسکے خیال سے غیرت انسانی اور حمیت فطری یہ دونوں بیحیائی کے نظارے سے حیا کے پسینے میں ڈوبی جاتی ہیں۔ اردو شاعری کی سرزمین پر بھی یہ بلا فارسی شاعری سے نازل ہوئی، اور اس نے دامان سخن کو گندے پانی سے آلودہ کر دیا ہے کاش! ہندوستان کی خاک غیرتناک پر جنم لے کے اردو شاعری نے یہیں کی باجذبات اور پرتاثیر شاعری کا رنگ پکڑا ہوتا۔ یہ کایا پلٹ اب بھی ممکن ہے بشرطیکہ ہمارے معزز سخن سنج اپنے خیالات کی کروٹ بدل دیں۔

بہر نوع جو کچھ لکھنا تھا لکھ چکا۔ اب مختصر الفاظ کے ساتھ اصل نظموں پر ناظرین کو متوجہ کرتا ہوں تاکہ وہ جذبات قلبی اور واقعات حقیقی جنکے سلسلۂ بیان میں حضرت لسان الملک

نے لطیف الفاظ کے بے بہا موتی پروئے ہیں، ان موتیوں کی چمک سخن کے جوہریوں کو دکھا دی جائے۔ پہلے رُخ کا شعر ہے ؎

ساون اور یہ گھٹا، مین کہیں ہون وہ کہیں — حسن اُنھیں کا ہے اور دیکھتے نہیں

ہندوستان کی برسات اور اُس میں خاص طور پر ساون کے مہینے کو یہاں کی عورتوں کے قلبی احساسات اور فطری جذبات سے خاص تعلق ہے۔ اس شعر میں یہ ٹکڑا "حسن یہ انھیں کا ہے" دل کو کھینچے لیتا ہے۔ عورت نے کس خوبصورتی سے اپنے حسن کا ذکر کر کے اپنی پاکبازی کو ثابت کیا ہے۔ "اُنھیں" کے لفظ سے سمجھا کہ کسقدر لطیف اور پر اثر بلاغت ہے ؎

کس سے نازاب کرون میرے ناز اُٹھائے کون — روٹھنے کو روٹھ دون لیکن اب منائے کون
کس سے اپنے دل کا بھید اب مین کھُل کے کہہ سکون — کس کے ساتھ بے جھجک اب میں مل کے رہ سکون

پہلے شعر کے دوسرے مصرع مین "اب منائے کون" دوسرے شعر مین "دل کے بھید" کا کھُل کے کہنا اور بے جھجک مل کے رہنا یہ فصیح الفاظ بلیغ اشارات سے طرز معاشرت کی لطافتون کو کیسے کیسے دلآویز کنایوں سے ظاہر کر رہے ہیں۔

دوسرے رُخ کا شعر ؎

خدا سے پڑی جگر پہ چوٹ زخم ہرے ہوئے ہیں آج — تم سے ہزار ہا گلے دل میں بھرے ہوئے ہیں آج

دوسرے مصرع کی لطافت قلم کی زبان سے ادا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح بلاغت اور سہل ممتنع بیان کے ساتھ یا ؎

تم ستم کرو تو کیون دل مرا بے قرار ہو — میں نہیں چاہتی کہ تم میرے گنہگار ہو
کیا میں خدا کے سامنے تم کو سزا دلاؤں گی — اپنی وفا کے نام کو خاک میں کیوں ملاؤں گی

پہلے شعر کا دوسرا مصرع کس تیور کا ہے اور کیسے دلکش پیرایہ میں حسن بیان کا نمونہ ظاہر

دوسرا شعر پہلے شعر کی شرح کر رہا ہے اور "رونا" جو اخلاق انسانی کا جوہرِ لطیف ہے اُس کو کس خوبی سے دکھا رہا ہے۔

تصویر کے متعلق چند اشعار کے بعد کیا لطیف نتیجہ ذیل کے فصیح شعر سے نکالا گیا ہے جو خیالات فطری کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے ؎

تم نظر آہی جاتے ہو اے وہ خیال ہی سہی
کچھ نہیں تو شبیہ سے صرف جمال ہی سہی

"اے" "او" "کچھ نہیں" کے مطالب زبان کی فصاحت، بیان کی لطافت اور تفہیمات معنوی کی بلاغت کے ساتھ جو کچھ دل سے کہہ رہے ہیں دل ہی جانتا ہے ؎

آؤ جو تم تو رخ پہ میں آنچل اُٹھا کے ڈال لوں
اسمیں تو کچھ حرج نہیں جھانک کے دیکھ بھال لوں

تیسرے رُخ میں جو قوت شاعری ہے، اُس کی داد نہیں دی جا سکتی، دو دلوں کی تلاش جہاں کچھ غم ہی نہ ہوا اور دونوں بے کھٹکے رہ سکیں، قیامت کا جوش جذبات میں دھی میں پیدا کر رہا ہے۔ زبان ہے کہ نظم میں نثر کا لطف دے رہی ہے، ادائیں ہیں کہ کلیجے میں چٹکیاں لے رہی ہیں، واقعات ہیں کہ ہو بہو تصویر کو آنکھوں کے سامنے لا رہے ہیں۔ اللہ ری تخیل کی رسائی! فطری اداؤں کو عرشِ معلیٰ پر بھی نہیں پہنچنے دیتی! کھینچ لاتی ہے، پوری نظم لاجواب ہے، گر میں ایک شعر لکھتا ہوں ؎

قسم ہے بیرخی کی جسکو پھیر کے رُخ عیاں کرے
قسم ہے خامشی کی جب نگاہ کچھ بیاں کرے

یہ شاعری کیا ہے، سحر کاری ہے، نگاہ کا بیان کرنا وہ مزہ دے رہا ہے کہ دل سیر ہوتا

ہی نہین۔ پوری نظم اسی رنگ کی ہے۔

چوتھا رُخ اس قدر اداؤن سے بھرا ہوا ہے کہ اگر اُس پر ریویو لکھنے کا ارادہ کیا جائے تو تمام نظم لکھنی پڑے اور ایک ایک شعر صفحے کے صفحے لے۔ عورت شوہر کی آمد آمد کے خیال سے کیا کہتی ہے ؎

کل مرے سر مین تھا جنون آج ہے کچھ غرور سا
کل مرے دل مین تھا ملال آج ہے کچھ سرور سا

کیا غرور ہے اور کیا سرور۔ پوری نظم موتیوں سے بھی زیادہ گران بہا ہے۔ کہان تک تعریف کی جائے اور کس کس شعر کی داد دی جائے۔ سلاست کی شہادت خود نظمین ہی دے رہی ہین۔ اس لیے کہ چارون رخون مین اضافت کا وجود نہین۔ سیدھی سادھی اُردو ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ عورتون کی زبان مین اضافت تسلیم نہین کیگئی، اور یہ نظمین یا عورت کی جانب سے ہیں یا عورت کی جانب۔

اب مین مقدمہ ختم کرتا ہوں اور دعا دیتا ہون کہ خدا حضرت شیخ حق قدوائی کی عمر میں برکت دے، جنکے دماغ نے اُردو کے خزانے میں انمول جواہر بھر دیئے ہیں۔

پیارے لال شاکر (میرٹھی)

پہلا رُخ

ایک عورت کا شوہر پردیس میں ہے، وہ اُس کی یاد میں محو اپنے خیال سے باتیں کر رہی ہے:-

آج او مرے خیال تُو کہاں کہاں گیا
دل بھی ترے ساتھ تھا، تُو جہاں جہاں گیا

تو نے رُخ جدھر کیا، دل کا رُخ اُدھر پھرا
تو پھرا جو پاس سے، دل بھر آیا، سر پھرا

جب سے وہ جدا ہوئے تب سے اُنکا دھیان ہے
اُن سے مجھکو اُنس ہے، اُن میں میری جان ہے

جاکے پھر مری خبر کیوں نہ لی ستم کیا
میری یاد میری چاہ، کیوں نہ کی ستم کیا

مجھ سے کیوں خفا ہیں وہ پھر گئی نظر تو کیوں
دل نہیں اُدھر تو کیوں رُخ نہیں اُدھر تو کیوں

میرے رُخ سے دور ہے وہ نگاہ اب کہاں
اُن کا پیار اب کہاں اُنکی چاہ اب کہاں

میں وہی ہوں یا نہیں وہ وہی ہیں یا نہیں
اُن کے دل کی حالتیں وہ رہی ہیں یا نہیں

ساون اور یہ گھٹا میں کہیں ہوں وہ کہیں
حسن یہ انھیں کا ہے، وہ دیکھتے نہیں

آج نا امید کے ساتھ تجھ نے زیاں کیا
دل اب ہے وہ یہاں سے چلی نکل کیا

پتنگ آئیں جائیں گے، اور جلے گا دل مرا — مل کے کیا میں گاؤں گی کیا ملے گا دل مرا

کھل پڑیگی خود بخود چاہ ہر صدا کے ساتھ — منہ سے باہر آئے گی آہ ہر صدا کے ساتھ

گر رہی ہیں جگر کا خون ہم سنیں جو ساتھ ہیں — وہ لگا رہی ہیں آگ جنکے لال ہاتھ ہیں

اور بھی لگا دی آگ ساونی نے پھول کر — پیڑ پر مری نظر، پھر پڑے نہ بھول کر

یہ شباب کی امنگ اب کسے دکھاؤں میں — رخ کا لال لال رنگ اب کسے دکھاؤں میں

لال یہ کہاں رہا، زرد ہو کے رہ گیا — رنگ اب کہاں ہے رنگ گرد ہو کے رہ گیا

جسم وہ نہیں رہا، اسمیں کس نہیں ہے اب — ہونٹھ وہ نہیں رہے، ان میں رس نہیں ہے اب

جونک بن کے رات دن چوستا ہے غم لہو — زرد ہو گیا بدن، رہ گیا ہے کم لہو

کاجل اور مسی کا لطف جب نہیں رہی تو کیا — آئینہ میں خود ہی میں دیکھتی رہی تو کیا

آرسی کو پھینک دوں منہ لگا کے کیا کروں — بن سنور کے کیا کروں، پان کھا کے کیا کروں

زیور اب بہت چکی، جی سے اب اتر چکا — جائے بھاڑ میں سنگار، دل اب اس سے بھر چکا

کس سے ناز اب کروں میرے ناز اٹھائے کون — روٹھنے کو روٹھ لوں لیکن اب منائے کون

کس سے اپنے دل کا بھید اب میں کھل کے کہہ سکوں — اسکے ساتھ بے جھجک اب میں مل کے رہ سکوں

مانگتی جو کوئی چیز ان سے مسکرا کے میں — ہنستے اسکو دیکھ کے وہ، ہنستی اسکو پا کے میں

دل میں اب لگی ہے آگ، دل لگی وہ لے گئے — اب ہنسی کا منہ کہاں، سب ہنسی وہ لے گئے

یا تو مجھ سے چھین لے ان کی یاد اے خدا — یا تو ان کو لا کے کر مجھکو شاد اے خدا

باؤ کر سٹرن مجھے، ہوش میں نہ آؤں میں — یا تو اپنے ہوش میں ان کو دیکھ پاؤں میں

کام کچھ نہ کر سکا، او خیال جا کے تو — مجھ سے کچھ نہ کہہ سکا، ان کا حال آ کے تو

تو نے میرے دل کا درد ان سے کچھ کہا بھی تھا — ان سے مل کے تجھکو یاد میرا غم رہا بھی تھا

کیا میں تجھسے پوچھ اُٹھی تو پیامبر نہیں — تجھ میں گو رسائی ہی، گفتگو مگر نہیں
گفتگو نہ ہو تو خیر، دل پہ تیرا بس تو ہی — دل تری دلکو دے خبر، ہاں یہ دسترس تو ہی
پھر کے اُنکے دل کے گرد، گھیرنا ضرور تھا — اُن کے دل کو میری سمت، پھیرنا ضرور تھا
اُنکے دل میں کرکے راہ کیوں نہ اسمیں کی جگہ — تو تو تھا مرا خیال، کیوں نہ لی مری جگہ
اُنکے دل میں میری جا، شاید اب نہیں رہی — چھن گئی مری جگہ اور میں یہیں رہی
شاید اور کوئی شکل، کھپ گئی نگاہ میں — کوئی روک ہو گئی اس طرف کی راہ میں
توبہ! ہو کے بدگمان میں نے کی خطا ضرور — چاہے وہ کہیں رہیں اُن میں ہی وفا ضرور
کاش او خیال تو اب نہ آسکے میرے پاس — کاش اُن کی یاد تو اب نہ لائے میرے پاس
یا مری نظر کو لے، اور اُن کے پاس جا — مجھ سے تو جگر کو لے اور اُن کے پاس جا
دیکھ لے نظر اُنھیں، دیکھ لیں جگر کو وہ — آئے مجھ پہ کچھ ترس آئیں اپنے گھر کو وہ
گھر کا نام خاک لوں، بن کے یہ بگڑ چکا — اس پہ اوس پڑ چکی، مٹ چکا اُجڑ چکا
چھت ٹپکتی ہی، تو اُنھ، کون اُسکی لے خبر — رو رہی ہوں میں اِدھر، رو رہی ہی وہ اُدھر
رنگ خاک میں ملا، خاک رنگ پر چڑھی — رنگ اُسی قدر گھٹا، خاک جسقدر بڑھی
میں ہی خاک میں ملی، گھر کی فکر خاک ہو — اُن کا ذکر چھوڑ کر، گھر کا ذکر خاک ہو
وہ پلنگ اُنھیں کا ہی، اسباب ہی تو کون — خود ہی آکے وہ رہیں، جا کے یہ کہے تو کون
اُٹھ گیا ہی خاک میں، گرد ہو گیا پلنگ — آئیں وہ تو مجھ سی لیں، اور اک نیا پلنگ
ذکر کیا پلنگ کا، یہ ذرا سی چیز ہے — مجھکو اپنی جان تک اُن سے کب عزیز ہے
راہ اُن کی روک لوں اب جو اُن کو پاؤں میں — پتلیوں میں دوں جگہ، سامنے بٹھاؤں میں
بال اپنے کھول کر اُن پہ جال ڈال دوں — جب ذرا قدم اُٹھیں اُن پہ بال ڈال دوں

ایک بات بدلتا ہی کون، درد جسکے دل میں ہو — گرم آتی ہی ہوا، آگ اسکے دل میں ہے
کوئی آگے پیڑ پر کہہ رہا ہے "پی کہاں" — پی کہیں ہیں، میں کہیں، کیا کہوں ہو جی کہاں
جل رہی ہوں میں، مگر جی مرا ہی پی کے ساتھ — پاس ہوں کہ دور ہوں، ہیں وہ میرے جی کے ساتھ
آئی اُن کی سمت سے، اور بو بھی لائی تو — آج ادھر ہوا ضرور، اُن کو چھو کے آئی تو
اُن سے مل کے آئی ہی، آ تری بلائیں لوں — تو نے خوش کیا مجھے، لے، تجھے دعائیں دوں
جا کے اُن کے پاس پھر، تو جو اُن کو لا سکے — درد دل کا جا سکے، چین دل کو آ سکے
اے دل اور کیا کروں، تیرے درد کا علاج — خط میں لکھ کے بھیجوں، تجھ کو اُنکے پاس آج
شرط ہے کہ میرے پاس پھر پلٹ کے آئے تو — اپنے خون کی قسم دے کے اُن کو لائے تو

یوں نہ آئیں تو میں لوں شوق کی کشش سے کام
کھینچ کے آئیں اس طرح، تو نہ لیں اُدھر کا نام

پہلے رُخ پر ایک نظر

تصویر سے عالم خیال کا دکھانا جسقدر مشکل ہے اس سے بدرجہا دشوار الفاظ میں عالم خیال کی نقاشی کرنا ہے ایسی مرقع نگاری نہایت عالی پایہ کا نثار یا شاعر چاہتی ہے۔ نہ صرف اُردو بلکہ یورپ کی زبانیں بھی اس مضمون میں ایسی بےنظیر اور مسلسل نظم سے خالی ہیں جیسی کہ **عالم خیال** کی نظم ہے بھاشا میں اگر ہوں تو مجھے خبر نہیں لیکن اردو زبان میں ایسی نظم اس سے پہلے نہ تھی۔

شاعری کے لیے اُردو زبان شاعروں کی زبان (یعنی فارسی) کے بعد مرتبہ رکھتی ہے الفاظ میں محاورات میں بندش میں وہ ایک شاعر کے لیے محبوب زبان ہے۔

اُس کے شعرا نے فطرت کے مناظر یا انسانی جذبات دکھانے کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی تو یہ اُس کا تصور نہیں، بلکہ اُس کے شعرا کا، اور اُن سے بھی زیادہ اُس سوسائٹی کا ہے جسمیں اُردو زبان پھُولی پھلی۔

یہ اعتراض اردو زبان پر نہیں ہو سکتا کہ اس کا ادب خیالات نفیس اور جذبات فطری سے مالامال نہیں۔ اُردو شاعر بھی بہت کچھ اس الزام سے اسلیے بری ہیں کہ باوجود سوسائٹی کے دوسرے رنگ پر ہونے کے انھوں نے فطری مناظر و طبعی جذبات دکھائے ہیں میر کی شاعری اوّل اوّل میر انیس کے مرثیے اور قلق کی مثنوی آخری دور میں ایسے مناظر و جذبات سے مملو ہیں میری رائے میں خیالات کی بلندی میں دنیا کا کوئی شاعر خواہ وہ یورپ کا ہو یا ایشیا کا اسد اللہ خان غالب سے اونچا نہیں جا سکا، یا کوئی شاعر، سوا نادر الوجود حافظ شیرازی کے لطیف خیالات کو زبان سے آتش سے زیادہ خوبی سے ہم آہنگ نہیں کر سکا۔

زمانہ کے رنگ کے ساتھ اُردو شاعری نے طرز بدلا تو گو اس نے نئے طرز کے ساتھ نہایت رکیک ملک الشعرا، اول اول پیدا کیے، مگر تھوڑے ہی دنوں میں جناب شوق کے سے اُستاد بھی نکالے۔ کچھ شبہ نہیں کہ ہندوستان کے کل زندہ شعرا میں استادی کا مرتبہ اگر کسی کو حاصل ہے تو اسی نادر الکلام شاعر کو جس کی بے نظیر نظم "لاحسن"، دنیائے شاعری کو محو کر چکی تھی، یا اب اس چھوٹی سی نظم عالم خیال نے نقادوں کے دلوں میں ولولہ ڈال دیا۔

• نظم و شعر اردو کے دو نقاد ہیں ایک منشی سجاد حسین صاحب اودھ پنچ دوسرے منشی جوالا پرشاد صاحب برق۔ حضرت شوق کے مدح سرا ہیں اور اُن کے سرٹیفکیٹوں کے بعد میرے

خیال ہیں کسی دوسرے سرٹیفکیٹ کی محتاجی نہیں ہو سکتی۔

فطرت انسانی سے باخبر شاعر نے عالم خیال کی نظم کی بحر بھی

و مناسب مضمون رکھی ہے۔ ایک عورت کے خیالات جس عمدگی سے، جیسے ۔

میں اس بحر میں ادا ہوے ہیں وہ اپنی جگہ پر خود ہی شاعر کی استادی کے ثبوت ہیں۔

ہر نکتہ چیں کا فرض ہے کہ وہ کسی نظم یا نثر پر نکتہ چینی کرتے وقت مضمون اور موقع کا بھی

خیال رکھے، ورنہ اُس کا اعتراض خود اُسی کو قابل مضحکہ بنا دیگا۔ مثلاً عالم خیال

کا یہ تیسرا شعر لیجئے ۔

جب سے وہ جُدا ہوئے تب سے اُن کا دھیان ہے ‏ ‏ اُن سے مجھکو اُنس ہے اُن میں میری جان ہے

کسی مرد کے مُنھ سے یہی پاکیزہ شعر دو کوڑی کا ہو جاے گا، جب، تب، وہ، دھیان، جان

یہ سب اُسی وقت تک اس شعر کی کشش کا باعث ہیں جب تک کہ وہ ایک عورت کے مُنھ

سے نکلے ہوے سمجھے جائیں۔ دوسرا مصرع پورا ہی بیموقع ہو جاے اگر ایک عورت

کی طرف سے نہ کہا گیا ہو۔ اول شعر کو اسکے بعد کے شعر سے

جا کے پھر مری خبر، کیوں نہ لی ستم کیا ‏ ‏ میری یاد میری چاہ کیوں نہ کی ستم کیا

کے ساتھ پڑھو، اور تب اول شعر کا دوسرا مصرع نہ صرف ایک خاص مزہ دے گا۔

بلکہ عورتوں کی ایک فطری عادت کو ظاہر کرے گا۔

عورتیں کسی شکایت کے وقت اپنی جانب سے محبت کا اظہار ضرور کر دیتی ہیں

"اے قربان جاؤں، کیا تم مجھے بھول ہی گئے" یہی طرز ادا، یہی خیال ہے جو اُن

دو شعروں میں خوبصورتی سے ادا کیا گیا ہے۔

ابتدائی دو شعروں سے

اے خیال، تو کہاں کہاں گیا | دل بھی تیرے ساتھ تھا، تو جہاں جہاں گیا
جدھر گیا دل کا رُخ اُدھر پھرا | تو پھرا جو یاس سے دل بھر آیا سر پھرا

اس کے بعد تیسرا شعر لاتا شاعر کی کمال اُستادی ظاہر کرتا ہے۔ ابتدائی دو شعروں سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ عورت کو اپنے شوہر کا خیال صرف "آج" آیا تیسرے شعر نے اس خیال کو رفع کر دیا۔ گویا وہ عورت اپنے خیال کی تنقیح کرنے "آج" بیٹھی ہے مگر "جب سے وہ جُدا ہوئے تب سے اُن کا دھیان ہے"

شروع سے پانچواں اور ساتواں شعر پھر آلودۂ محبت، زود حس، زود اثر عورت کے خاص خیالات ہیں جو اپنی منطق آپ ہی رکھتے ہیں، اور جن کا طریقہ استدلال عین ان کا اپنا ہوتا ہے، شوہر بیچارہ جس مجبوری سے گھر نہ آسکا ہو، مگر شوہر کی محبت میں مجنوں عورت یہی کہے گی ؎

مجھ سے کیوں خفا ہیں وہ پھر گئی نظر تو کیوں | دل نہیں اِدھر تو کیوں رُخ نہیں اِدھر تو کیوں
میں وہی ہوں یا نہیں، وہ وہی ہیں یا نہیں | ان کے دل کی حالتیں، وہ رہی ہیں یا نہیں

اشعار ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ایک فراق زدہ عورت کے دلی خیالات کو ایسی خوش اسلوبی سے ظاہر کرتے ہیں کہ دل پھڑک جاتا ہے ؎

ساتھ والیوں کے ساتھ جھولنے کو جاؤں کیا | دل وہاں ہے وہ جہاں بیدلی سے گاؤں کیا
پینگ آئیں جائینگے اور ہلے گا دل مرا | رل کے کیا میں گاؤں گی، کیا ملیگا دل مرا

غضب کے درد آگیں یہ دو شعر ان میں سے ہیں ؎

کھل پڑے گی خود بخود، چاہ ہر صدا کے ساتھ | مُنھ سے باہر آئے گی، آہ ہر صدا کے ساتھ
کرتی ہیں جگر کا خوں ہمنشیں جو ساتھ ہیں | وہ لگا رہی ہیں آگ، جن کے لال ہاتھ ہیں

ہمسنوں میں سے بعض کے مہندی لگے ہاتھ اور ساونی کے پھول دیکھ کر عورت کو اپنی نوجوانی اور اپنی خوبصورتی کا اس طرح خیال آتا ہے، مگر وہ بھی اپنے شوہر کی یاد کے ساتھ سے

یہ شباب کی اُمنگ اب کسے دکھاؤں میں　　رُخ کا لال لال رنگ اب کسے دکھاؤں میں

کچھ شبہ نہیں ہے کہ نقاش نے محوِ خیال کی جو تصویر کھینچی ہو گی اُس میں عورت کو نوجوان اور حسین دکھایا ہو گا۔ شاعر نے ہی کام جو الفاظ سے لینا چاہتا ہے اسکو عورت کی نوجوانی اور حسن کا دکھانا زیادہ دشوار تھا، مگر باکمال اُستاد نے کس خوبصورتی سے نقاشی کی ہے۔ یہ شعر اس موقع کی جان ہے!

ایک حسین نوجوان عورت ہے، وہ اپنے ہمسنوں کو بناؤ سنگار دیکھتی ہے، ساون کی گھٹاؤں میں ساونی کا رنگ اُسکے جوشِ شباب کو اُبھارتا ہے، فطرتاً اُسے اپنے حُسن پر ناز سا ہوتا ہے، اپنے گلرنگ رخساروں کا، اپنے شباب کی اُمنگ کا خیال آتا ہے، مگر بیچاری ایشیائی عورت جسکا حُسن، بناؤ سنگار، شباب جو کچھ ہے اپنے شوہر اور صرف اپنے شوہر ہی کے لیے ہے، اور وہ شوہر کوسوں کے فاصلہ پر ہے، تو گو اُس حُسن اور شباب کا فطری خیال تو نہیں رُکتا مگر اسکے ساتھ ساتھ یہ پُر یاس خیال بھی آہی جاتا ہے "اب کسے دکھاؤں میں" دوسری حسین چیزوں کے دیکھنے یا دوسرے کے سنائی ہاتھوں کے نظارے سے اپنے پر تمکیں حُسن کا خیال عورت کو آیا مگر پھر فراقِ شوہر نے بدلی ہوئی صورت بھی اس طرح یاد آئی سے

لال یہ کہاں رہا زرد ہو کے رہ گیا　　رنگ اب کہاں ہے رنگ گرد ہو کے رہ گیا

جسم وہ نہیں رہا، اُس میں کس نہیں ہے اب　　ہونٹھ وہ نہیں رہے، ان میں رس نہیں ہے اب

جونک بنکے رات دن چوستا ہی غم لہو زرد ہو گیا بدن، رہ گیا ہے کم لہو

ان اشعار کے ذریعہ سے شاعر نے یہ بات بھی دکھا دی کہ عورت خوش رنگ تھی، رعنائی جسم بھی رکھتی تھی، باریک رسیلے ہونٹھ تھے، تندرست و توانا تھی فطرت کا یہ تقاضا بھی ظاہر کیا کہ دوسروں کے مقابلہ سے اپنے کمال کا خیال ضرور آتا ہی اور اس عورت کی حالت فراق سے عام ہمدردی کو بھی دوچند کر دیا، اسلیے کہ یہ اشعار ظاہر کرتے ہیں کہ عورت کو نہ صرف اپنے شوہر سے جدائی ہی کا درد ہی بلکہ اسکو اپنے حسن کے گھٹ جانے کا بھی احساس ہی۔ اب اس کا اندازہ ہر زود اثر دل کر سکتا ہی کہ فراق شوہر میں ایشیائی عورت کے قلب کی کیا حالت ہوتی ہوگی۔

بناو سنگار جو قدرتی حسن کے بعد کی چیزیں ہیں، اُسمیں اُسے کیا دلچسپی ہوگی؟ زیور جو شباب اور حسن کی زینت کی چیز ہی، اس کی کیا پروا رہے گی؟ شاعر ان خیالات کو اس طرح ظاہر کرتا ہی ؎

کاجل اور مسّی کا لطف جب نہیں وہ ہی تو کیا آئینے میں خود ہی میں دیکھتی رہی تو کیا

آرسی کو پھینکدوں منھ لگا کے کیا کروں بن سنور کے کیا کروں، پان کھا کے کیا کروں

زیور اب پہن چکی جی سے یہ اُتر چکا جائے بھاڑ میں سنگار دل اب اس سے بھر چکا

ان اشعار میں علاوہ الفاظ اور بندش کی خوبیوں کے اول شعر کا دوسرا مصرع انتہائے حجاب و پارسائی بھی دکھاتا ہی۔ وہ مصرع صاف ظاہر کرتا ہی کہ عورت کے کاجل اور مسّی کو سوا اُس کے شوہر کے اور کوئی دیکھنے والا نہ تھا، اور اب جب شوہر دور ہی تو سوا اسکے کہ عورت خود اُنھیں آئینہ میں دیکھے اور کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا۔ لیکن وہ اسقدر خود پسند نہیں ہی کہ خود اپنے دیکھنے کے لیے کاجل اور مسّی لگائے۔

جو لوگ فطرت انسانی سے واقف ہیں وہی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ عورت پر کہانتک شوہر کی جُدائی کا صدمہ ہوگا، جب وہ زیور سی محبوب نسواں چیز سے. بیزار ہو بیٹھی اور خود آرائی کے سے دلفریب نسوانی مشغلہ سے سیر ہو گئی۔

زیور اور بناؤ سنگار سے نفرت تو تھی ہی، اُسکے دل کو یہ خیال آکر اور رنجیدہ کرتا ہو کہ اب اُسکا کوئی ناز بردار نہیں کوئی رازدار نہیں، کوئی ایسا بھی نہیں جس سے وہ کھلکر کوئی چیز مانگ سکے، شاعر نے کس مزے سے یہ خیالات ادا کیے ہیں ؎

کس سے ناز اب کروں، میرے ناز اُٹھائے کون
سو رُٹھنے کو روٹھ لوں، لیکن اب منائے کون

کس سے اپنے دل کا بھید اب میں کھُلکے کہہ سکوں
کسکے ساتھ بے جھجک اب میں ہنس کے رہ سکوں

مانگتی جو کوئی چیز اُن سے مسکرا کے میں
ہنستے اسکو دیکے وہ ہنستی اسکو پاکے میں

آخر کا شعر زن و شوہر کے لیے بے اندازہ محبت کے معاملہ کو ظاہر کرتا ہو اور اُس میں وہ لفظیں "اُن" اور "وہ" ایک مخصوص حلاوت پیدا کرتی ہو۔ انتہائی یاس اور درد کے یہ دو شعر ہیں ؎

یا تو مجھسے چھین لے اُن کی یاد، اے خدا
یا تو اُن کو لا کے کر مجھ کو شاد، اے خدا

یا تو کر سٹرن مجھے، ہوش میں نہ آؤں میں
یا تو اپنے ہوش میں اُن کو دیکھ پاؤں میں

اس حد تک آکر عورت کی طبیعت اپنے خیال سے بھی اسطرح برافروختہ ہوتی ہے ؎

کام کچھ نہ کر سکا، او خیال جا کے تو
مجھسے کچھ نہ کہہ سکا، اُن کا حال آکے تو

تو نے میرے دل کا درد اُن سے کچھ کہا بھی تھا
اُن سے ملکے تجھکو یاد میرا غم رہا بھی تھا

آخر کا شعر عورت کی ایک خاص کیفیت ظاہر کرتا ہو۔ وہ سمجھتی ہو کہ جسطرح وہ اپنے شوہر کی لئے دنیا کو فراموش کر بیٹھی ہو اسی طرح مبادا اسکا خیال بھی اُسکے شوہر تک پہونچکر شوہر

کے پاس تک پہونچنے کی خوشی میں) اُس فرقت زدہ عورت کا غم بھُوا جاے۔

عورت اپنے جذبہ سے کام لینا چاہتی ہے اور کہتی ہے ؎

دل کو دل کی دے خبر ہاں یہ دسترس تو ہو
گفتگو نہ ہو تو خیر، دل پہ تیرا بس تو ہے

اُن کے دل کو میری سمت پھیرنا ضرور تھا
پھر کے اُن کے دل کے گرد گھیرنا ضرور تھا

تو تو تھا مرا خیال، کیوں نہ لی مری جگہ
اُن کے دل میں کر سکا کیوں نہ اُنس کی جگہ

اِن اشعار کے بعد ایک ایشیائی عورت کے اشد یاس کے خیالات اسطرح ادا ہوے ہیں ؎

چھن گئی مری جگہ، اور میں نہیں رہی
اُن کے دل میں میری جا شاید اب نہیں رہی

کوئی روک ہو گئی اس طرف کی راہ میں
شاید اور کوئی شکل کھُپ گئی نگاہ میں

اِن اشعار میں لطافت زبان کے علاوہ ایک ایشیائی عورت کے شوہر سے ملنے کی یاس جو پُر حسرت خیال کی انتہا ہے وہ ظاہر ہوتی ہے۔

ایشیا کی عورت بہت مشکل سے اپنے شوہر سے بدگمان ہوتی ہے۔ دیوتا یا مالک جو کچھ ہوتا ہے اُس کا شوہر ہی ہوتا ہے۔ وہ لاکھ بُرائیاں رکھتا ہو مگر ایک محبتی عورت کے نزدیک وہ تمام عیوب سے پاک رہے گا؛ جسطرح وہ اپنے نفس سے مطمئن ہوتی ہے کہ کسی دوسرے کی طرف تشویش و ترغیب کیوں نہو داس تشویش و ترغیب کے موقع اُسے اسقدر نہیں ملتے جس قدر یورپ کی عورتوں کو ملتے ہیں۔ اَزبسکہ کبھی بھولے سے نہ دگی، دیا ہی وہ اپنے شوہر کے متعلق بھی قیاس کرتی ہے لیکن شوہر کی مفارقت کا سودا اس حد تک تھا کہ آخر بدگمانی کا خیال آئے بغیر نہ رہ سکا، مگر عارضی، فوراً ہی یہ خیال آگیا ؎

چاہیں وہ کہیں رہیں اُن میں ہے وفا ضرور
تو یہ ہے کہ بدگمان ہونے کی خطا ضرور

اسلئے پردہ خیال میں بھی شوہر کی وفا پرشبہ کرنے سے اسطرح بیزار ہوئی ہے

کاش انکا خیال تو اب نہ آئے میرے پاس　　کاش انکی یاد تو اب نہ لائے میرے پاس

آخر کا مصرعہ یہ فطری جذبہ ظاہر کرتا ہے کہ محبوب سی محبوب چیز بھی شاق ہوجاتی ہے اگر اسی کے ساتھ کوئی دردناک خیال ملا ہوتا ہے۔ شوہر کی یاد عورت کو بہت محبوب تھی لیکن اگر اس یاد کے ساتھ یہ خیال بھی طاری ہو کہ وہ بیوفا نکلا جسکی کبھی بھی امید تھی تو عورت اس یاد سے بھی نظر تا گھبرا جائے گی۔ مگر وہ گھبراہٹ بھی محض ایک لمحہ کی ہوگی اور خیال سے یہ فرمائش ہوگی کہ تو اکیلا نہ جا، بلکہ ہے

یا مری نظر کو لے اور ان کے پاس جا　　مجھ سے یا جگہ کو لے اور انکے پاس جا

بعد کے شعر میں ایک ہی پہ تسکین نہ ہوئی، دل کی آئی یہ گمانی کا بھی شاید اثر تھا کہ یہ غرض ظاہر ہو ہی گئی ہے

دیکھ لے نظر اٹھیں دیکھ لیں جگر کو وہ　　آئے تجھ پہ کچھ ترس آئیں اپنے گھر کو وہ

گھر کا خیال آتے ہی ایک ٹیس سی اٹھتی ہے، اور وہ ایسے بیساختہ مگر پر لطف الفاظ میں ظاہر ہوتی ہے ہے

گھر کا نام خاک لوں بن کے یہ بگڑ چکا　　اس پہ اوس پڑ چکی مٹ چکا، اجڑ چکا

چھت ٹپکتی ہے تو اُدھر، کون اس کی لے خبر　　رو رہی ہوں میں ادھر رو رہی ہے وہ اُدھر

آخر کے شعر میں اُدھر کی لفظ کا مزہ فطرت انسانی سے باخبر لوگ ہی جانتے ہیں۔ گھر اُجڑنے کا خیال ہر عورت کو جانگسل ہوتا ہے، مگر شوہر کی جدائی کے آگے وہ بھی کچھ نہیں ہے

میں ہی خاک میں ملی گھر کی فکر خاک ہو　　اُن کا ذکر چھوڑ کر گھر کا ذکر خاک ہو

گھر سے خیال ہٹایا گیا، مگر مکان کی ہر ہر چیز تو شوہر کی یاد دلاتی ہے، دیکھیے۔ پلنگ

تو سامنے بچھا دیں اب عورت نے بھی دل ملنے والے خیالات سے بچنے کو رہنا چھوڑ دیا ہے، کیا کہلا رہا ہے ؎

وہ پلنگ اُنھیں کا ہے اُس پر اب وہ ہے تو کون
خود ہی آ کے وہ رہیں جا کے یہ کہہ دو کون

اُٹھ گیا ہے خاک میں، گرد ہو گیا پلنگ
آئیں وہ تو مجھ سے لیں اور اک نیا پلنگ

لیجیے پلنگ سے اور سلسلۂ خیالات چلے ؎

ذکر کیا پلنگ کا یہ ذرا سی چیز ہے
مجھکو اپنی جان تک اُن سے کب عزیز ہے

راہ اُنکی روک لوں اب جو اُن کو پاؤں میں
پتلیوں میں دوں جگہ سامنے بٹھاؤں میں

بال اپنے کھولکر اُن پہ جال ڈال دوں
جب ذرا تھم لیں اُن پہ بال ڈال دوں

سلسلۂ خیالات یہاں آکر شاید تھوڑی دیر کے لیے رُک جاتا اور عورت تخیل ہی میں اپنے شوہر کے آنے اور پھر نہ جانے پانیکا مزہ لیتی رہتی، مگر بُرا ہو اس دل دوز آواز سے چیخنے والی چڑیا پپیہے کا کہ وہ درخت پر آ بیٹھی، عورت فوراً اس طرح اُسکی طرف مخاطب ہوئی ؎

کر لیا آ کے پیڑ پر کہہ رہا ہے "پی کہاں"
پی کہیں ہیں میں کہیں کیا کہوں ہے جی کہاں

جی رہی ہوں میں یہاں گو جی مرا ہے پی کے ساتھ
پاس ہوں کہ دور ہوں ہیں وہ میرے جی کے ساتھ

فطرت کا قاعدہ ہے کہ وہ درد پیدا کرتی ہے تو اسی کے ساتھ دوا بھی؛ عورت پر غلبۂ یاس کی انتہا نہ رہی تو فطرت نے اُسکے خیالات کا رنگ اسطرح بدلا ؎

آئی اُن کی سمت سے، اور نہ کبھی لائی تو
آج ادا ہوا ضرور اُن کو چھو کے آئی تو

اُن سے مل کے آئی ہے آ تری بلائیں لوں
تو نے خوش کیا مجھے لے تجھے دعائیں دوں

جا کے اُن کے پاس پھر تو جو اُن کو لا سکے
درد دل کا جا سکے چین دل کو آ سکے

خط میں لکھ کے بھیجدوں مجھکو اُنکے پاس آج
اودل اور کیا کروں تیرے درد کا علاج

اپنے خون کی قسم دے کے اُن کو لائے تو
شرط ہے کہ میرے پاس پھر پلٹ کے آئے تو

آخر میں تھوڑی دیر کے لیے اس خیال سے تسکین ہوتی ہے۔

کھنچ کے آئیں اسطرح پھر نہ لیں اُدھر کا نام
یوں نہ آئیں تو میں لوں شوق کی کشش سے کام

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ نظم ایک خاص وقت کے جذبات کو نہایت وضاحت سے نہایت موثر طریقہ سے، نہایت سادے اور شستہ الفاظ اور محاورات سے ظاہر کرتی ہے۔

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فطرتِ انسانی یورپ میں اور ہے ایشیا میں اور۔ یہ بالکل غلط ہے جسطرح فطرتِ حیوانی ایک ہے اسی طرح انسانی۔ ایشیا کی عورت کو ویسا ہی عشق کا جوش ہے جیسا یورپ کی عورت کو۔ جذبۂ عشق بنفسہٖ ایک نہایت شریفانہ جذبہ ہے اور یہ جذبہ ایسا جذبہ ہے جسکی برابری کوئی دوسرا جذبہ اپنے زور و قوت میں نہیں کرسکتا۔ ماں بیٹے کی محبت پر یہ غالب آجاتا ہے انسان کی جسمانی تکالیف اس جذبے کے دور میں بھول جاتی ہیں۔ ایشیا کی عورت اور خصوصاً ہندوستان کی عورت کو جو چیز دنیا میں بنظیر بناتی ہے وہ وہی قدرت ہے جو وہ اس جذبہ پر حاصل کرتی ہے۔ مثل دُنیا کی عورتوں کے عشق کے جذبہ سے وہ بھی پُر ہوتی ہے مگر یہ جذبہ اُسکا مخصوص ہوتا ہے اپنے شوہر کے ساتھ، اور وہ بھی اس جکڑبندی کے ساتھ کہ وہ اسکا اظہار دوسروں پر ہونے نہ دے۔ اپنے شوہر سے تو وہ اس جذبہ کو چھپا نہیں سکتی، نہ اُس سے چھپانیکی اُسکی زیادہ کوشش ہی ہوتی ہے لیکن وہ "مجھ آرزنگ" کہکر اُسے سب کے سامنے نہیں پکارتی۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اُس میں جذبۂ عشق نہیں یا عاشقانہ خیالات سے وہ بے بہرہ ہے، فطرتِ انسانی سے بیخبری ظاہر کرنا ہے۔

جو لوگ جناب شوق کی نظم عالم خیال کو اِس عقیدے کے ساتھ دیکھیں کہ محبت یا عشق کا ہر جذبہ غیر شریفانہ ہوتا ہی، اور اُس جذبہ کا اثر ہندوستانی عورت کے دلی خیالات پر ہونا چاہیے، وہ خود فراموش ہوں گے انسان نہیں، وہ انسانی عالم خیال کے فلسفے سے نابلد محض ہیں۔

جناب احمد علی صاحب شوق قدوائی نے اپنی اِس بیش بہا نظم میں جس موقع اور مناسبت سے خیالات کے مختلف پہلوؤں کا بدلنا دکھایا ہی بلاشبہ وہ اُن کو ایک فلسفی شاعر ثابت کرتا ہی۔

جذبات انسانی کے انکشافات ہی سے آج دنیا میں شکسپیر کا ڈنکا بج رہا ہی؛ حالانکہ شکسپیر نے بعض بعض جگہ پر انسانی جذبات کو نہایت بدسلیقگی سے دکھایا ہی، اکثر جگہ احمقوں کے منھ میں فلسفیوں کے الفاظ ڈال دیے ہیں، کہیں کہیں خیالات بلند بیموقع دکھائے ہیں جن سے شکسپیر پر یہ اعتراض عائد ہوتا ہی کہ اسکی شاعری اسکی اپنی نہیں بلکہ یہ کہ اُس نے دوسروں کے خیالات جمع کردیے ہیں اور موقع بیموقع کا خیال نہ کرسکا

ڈرزیلی نے شکسپیر کے متعلق یہ بھی لکھا ہی کہ وہ سب سے بڑا شاعر اور سب سے کم رتبہ شاعر دونوں تھا۔ جو کچھ بھی ہو بہرحال اِس میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا کہ جسقدر جذبات انسانی کا انکشاف شکسپیر نے کیا دنیا کے کسی دوسرے ایک شاعر نے اِس قدر نہیں کیا۔

لیکن میں ایک شکسپیر سے زیادہ ایک سعدی کو ملک بلکہ دنیا کے لیے مفید سمجھتا ہوں اوّل الذکر صرف انسان کے جذبہ کا انکشاف کردیتا ہی، آخر الذکر اخلاق و عادات یا قوم کو درست کرتا ہی۔ ایران، افغانستان، اور ہندوستان کے گوشہ

باشندوں کا تہذیب و اخلاق عرصۂ دراز تک سعدی کے ہاتھوں رہا شکسپیر کو کبھی نہ اس کا فخر نصیب ہوا، نہ ہو سکتا تھا ہندوستان کے لیے بھی زیادہ ضرورت سعدیوں کی ہے۔

مسدس حالی نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ شاعری کیسی ہی بودی زبان کیسی ہی بھونڈی کیوں نہ ہو، اگر کوئی نظم قوم کی حالت کو ظاہر کرتی ہے تو اسکی قدر بھی قوم کرتی ہے ہندوستان کے باکمال شعرا کے لیے ابھی میدان بہت وسیع ہے، آزادی پر اتحاد قومی پر حب الوطنی پر قتل و غارت کی برائی پر، دیانت اور وفاداری پر چاپلوسی و خوشامد کی مذمت پر، ترقی علم پر، صنعت و حرفت کی توجہ پر، اپنی تہذیب اور اپنے اخلاق کی برتری پر غرض کہ سیکڑوں اور ہزاروں ایسے مضامین پر استادان فن قلم اٹھا سکتے ہیں کہ تمام قوم ان اشعار کو حفظ کر لے، تمام قوم کے دل میں ان اشعار سے ایک حرکت پیدا ہو جائے، جو سوتے ہیں جگ پڑیں، جو تھک گئے ہیں اُن میں جان تازہ آجائے۔ بنگال کے شاعر اور شاعر اس طرف کچھ زمانہ ہوا مخاطب ہوئے۔ اُردو کے شاعروں کو بھی اس طرف توجہ کرنا چاہیے لیکن اگر اُستادان فن نے توجہ نہ کی تو معمولی لوگ ان مضامین کو اٹھا کر اسکی بھی اسی طرح مٹی پلید کریں گے جس طرح اول اول "نیچرل" نظموں کی ہوئی تھی۔

یونان کے تمدن کے لیے شاعروں کی ضرورت رہی ہو یا نہ رہی ہو ہندوستان کو اسوقت فصیح اور بلیغ شعرا کی بہت ضرورت ہے؛ جو کہیں تو رعد کا کام کریں کہیں ابنسیان کا۔ میں اکتوبر ۱۹۰۹ء میں ولایت سے آتے وقت مشہور عالم مسٹر ڈبلیو۔ ٹی۔ اسٹیڈ مرحوم سے ملا اور اُن سے اپنی قلبی دھڑکن کا جو کبھی کبھی انوکھی رائے رکھنے اور بے ہمدرد و دمساز ہونے سے پیدا ہوتی ہے ذکر آیا تو انھوں نے محبت سے اس کا علاج بتایا، اور وہ علاج یہ تھا

کہ انھوں نے ایک چھوٹی سی کتاب جسمیں انھوں نے خود امریکہ کے شاعر "لاول" کی تصنیفات سے اقتباس کیا تھا، دی جو میری جیب میں رہتی ہے، اور جس سے واقعی میرے قلب کو بارہا تسکین ہوئی ہے۔ بس مثالاً چار شعر سے ترجمہ کرکے لکھتا ہوں۔ وہو ہذا

وہ غلام ہیں جو گرے ہوؤں اور کمزوروں کے واسطے زبان ہلانے سے ڈرتے ہیں۔ وہ غلام ہیں جو اس ڈر سے کہ لوگ نفرت کریں گے، مسخر کریں گے، گالیاں دیں گے، اس حق کو ظاہر کرنے میں جو اُن کے دلوں میں اترا ہو، خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ وہ غلام ہیں جو اسکی جرأت نہیں رکھتے کہ دو تین (حق پر ہونے والے) آدمیوں کا ساتھ دیں۔

میری حقیر رائے میں ہندوستان کو شکسپیر سے زیادہ "لاول" کی ضرورت ہے۔ ہماری قوم گری ہوئی ہے، اُسکے احیاء میں شاعر بہت کچھ حصّہ لے سکتے ہیں، قومی کمزوریوں کا انکشاف کریں، قومی اخلاق کو بلند کریں۔ ایک طرف اگر وفاداری اور اطاعت کا بیج بوئیں، تو دوسری طرف قومی عزت اور تہذیب سے زندگی بسر کرنے پر آمادہ کریں قوم کو خودداری کے سبق دلنشین طریقہ سے دیں۔ فقط

مشیر حسین قدوائی

دوسرا رُخ

عورت اپنے شوہر کے آنے کی امید میں ہے۔ شوہر کا خط عذر کے ساتھ پردیس سے آیا کہ وہ ابھی نہیں آسکتا۔ عورت غمگین ہو کے شوہر کو خط لکھ رہی ہے اور اپنے خیالات ظاہر کرتی ہے۔

پا کے تمھارے خط کو آج دل کی تڑپ بڑھی کچھ اور
دل میں بھڑک کے غم کی آگ جسم پہ تپ چڑھی کچھ اور

آنے کا آسرا کہاں یاس سے دم نکل چلا
دل مرا آنسوؤں کے ساتھ بہ کے لہو نکل چلا

ڈر کی طرح تھی جو نگاہ یاس سے اب زمیں پہ ہے
ہاتھ کبھی جگر پہ ہے اور کبھی جبیں پہ ہے

ضعف سے جسم لٹ چلا، روح بدن سے ہٹ چلی
چہرے کا رنگ کٹ چلا، نبض کی چال گھٹ چلی

خط سے پڑی جگر پہ چوٹ داغ ہرے ہوئے ہیں آج
تم سے ہزار ہا گلے دل میں بھرے ہوئے ہیں آج

خط ہے تمھارے ہاتھ کا پڑھتی ہوں اسکو بار بار
کھولتی ہوں ہزار بار چومتی ہوں ہزار بار

جن سے لکھا گیا ہے خط کاش وہ انگلیاں ملیں
میرا خیال چوم لے جا کے وہیں جہاں ملیں

خود بھی گئے تم اور چین چھین کے مجھ سے لے گئے
مجھ کو [illegible] بنا گئے [illegible] جنون دے گئے

سب کے جگر میں خون ہے میرے جگر میں درد ہے
سب کا شباب لال ہے میرا شباب زرد ہے

ایک [illegible] میں تھے میرے عیش بن گئے غم تو کیا کروں
پہلے تھے [illegible] اب [illegible] تم تو کیا کروں

عیش کو کھو گئے ہو تم، آؤ تمھیں تو پھر ملے ۔ چین کو لے گئے ہو تم، لاؤ تمھیں تو پھر ملے

تم نہ ستم کرو، تو کیوں دل مرا بے قرار ہو ۔ میں نہیں چاہتی، کہ تم میرے گناہگار ہو

کیا میں خدا کے سامنے تمکو سزا دلاؤں گی ۔ اپنی وفا کے نام کو خاک میں کیوں ملاؤنگی

چھپ گئے پتلیوں سے تم، ان کو نظر نہ آؤ گے ۔ یہ تو کہو کہ کسطرح دل سے نکل کے جاؤ گے

دل میں جمے ہو تم مگر جوش رہے ہو خون کو ۔ سر میں خیال بن کے تم دیتے ہو شہ جنون کو

بن کے تمھاری یاد، دوڑ رہی ہے جسم میں ۔ جان یہی ہے جسم میں، روح یہی ہے جسم میں

دم مرا لو سے بڑھ کے گرم، دل مرا آج اداس ہے ۔ جسم میں جل گیا لہو، اور ابھی تپ کو پیاس ہے

مانگتی ہوں تم سے بھیک، دو تو کوئی ضرر نہیں ۔ چاہتی ہوں تم سے رحم، مال نہیں زر نہیں

رحم سے میرے دلکو چین دو گے تو دے سکو گے تم ۔ اپنے خدا سے یہ ثواب لوگے تو لے سکو گے تم

اپنا خیال تک نہیں چاہ کے جوش میں مجھے ۔ ایک تمھاری یاد، ہاں لاتی ہے ہوش میں مجھے

آئینے میں ہے ایک چیز، چین مجھے اسی سے ہے ۔ انس ہے تو اسی سے ہے، اور نہیں کسی سے ہے

دیکھتی رہتی ہوں اسے، پیار کے ساتھ بار بار ۔ اسکی بلائیں لینے کو بڑھتے ہیں ہاتھ بار بار

ہے یہ تمھاری ہی شبیہ، اور یہ میری جان ہے ۔ اسمیں تمھارا حسن ہے، اسمیں تمھاری شان ہے

جان تو میری ہے، مگر کچھ نہیں بولتی تو کیوں ۔ دیکھتی ہے مجھے ضرور، منہ نہیں کھولتی تو کیوں

شکل ہے یہ تمھاری ہی، تم ہو خفا تو یہ بھی ہے ۔ دور تم اور چپ شبیہ، وہ ہے خفا تو یہ بھی ہے

تم نظر آہی جاتے ہو، لے وہ خیال ہی سہی ۔ کچھ نہیں تو شبیہ سے، صرف جمال ہی سہی

تم سے مرے نصیب میں شاید ابھی کرم نہیں ۔ وہ ہیں بڑی ہی خوش نصیب ہجر کا جن کو غم نہیں

رہتی ہیں شوہروں کے ساتھ، خوب سنگار کرکے وہ ۔ ہنستی ہیں کھلکھلا کے وہ، تنتی ہیں بن سنور کے وہ

رخ پہ شباب کی بہار، رنگ سے دونوں گال لال ۔ مانگ پہ موتیوں کا حسن، پان سے ہونٹھ لال لال

وہ جو لچک کے بل پڑے نشان گلو تکی بن پڑی
ہونٹھ جو ہنس کے کھل پڑے گل کی کلی سی کھل پڑی

بال کھلے تو کھا گئے بل ناگ کو لپیٹ لے گئے
دل میں سہتے تھے جتنے ولولے سب کو سمیٹ لے گئے

کچھ تو خود وہ بدن پہ کس تنتی ہیں کچھ ادا کے ساتھ
کچھ تو ہے حسن تدنی تنتی ہیں کچھ ادا کے ساتھ

لینے کو شوہروں کے دل لطف ہے بات بات میں
حسن ہے اپنی گھات میں ناز ہے اپنی گھات میں

مجھ کو ہے غم تو پھر سنگار کون کرے تمھیں کہو
دیکھ کے حسن مجھکو پیار کون کرے تمھیں کہو

رکھتے نہیں یہ ہونٹھ رنگ رکھتے نہیں گال رنگ
تم نہیں تو نظر میں ہے خون کا رنگ لال رنگ

کاجل اڑے کروں نہ اب اسکی طرف نگاہ میں
بہتا ہے آنسوؤں کے ساتھ ہوتی ہوں سیاہ میں

خاک ہیں چوڑیاں ملیں جی کو جلا رہی ہیں یہ
بھاڑ میں جائیں بجلیاں آگ لگا رہی ہیں یہ

بار ہیں یہ بالیاں خار ہے جو ہے دنتیاں
کس کو دکھاؤں انکو کان اب میں پہنکر انتیاں

رہتی ہے داغ آرسی میں نہ پھولوں گی اب ارے
آتی ہے زرد رو نظر دیکھتی ہوں میں جب اسے

بس اسے میں پہن چکی دل پہ گراں ہے زیور اب
تم نہیں دیکھتے سنگار خاک کیسے یہ مجھ پہ اب

بس میں اسکو کرکے بند سب میں تمھیں کو بھیجدوں
تھا یہ تمھارے ہی لیے اب میں تمھیں کو بھیجدوں

مجھکو تو چاہتے نہیں شوق سے آکے دیکھنا
چاہتے ہو جسے وہاں اسکو بٹھا کے دیکھنا

طنز سے کیا یہ کہہ اٹھی شوخ مری زباں ہو لی
ہے یہ زباں گناہگار میں تمھیں بدگماں نہیں

تم میں وفا ہو یا نہ ہو میں یہ کہونگی ہے ضرور
ہاں یہ کہوں گی آہ کو رنگ کے ہر کوئی شے ضرور

آؤ کہ نہ آؤ میں شباب تم پہ نثار کر چکی
تم مجھے پیار کر چکے میں تمھیں پیار کر چکی

کس سے کہوں میں دل کا بھید سیج میں جی سی جل گئی
لیٹ گئی تو آیا سچ بیٹھ گئی کھڑی ہوئی

ہوتی ہوں تنگ کروٹیں غم سے بدل بدل کے میں
کاٹتی ہوں سحر کی طرح رات ٹہل ٹہل کے میں

لہ صیغۂ جمع ۱۲

پھولنے کے مٹھ جو کوئی چیز مانگ اٹھی تو زک ملی
آئی پسند ایسی چیز، مجھ کو نہ آج تک ملی

تیل کو میں ترس گئی، بال مرے چکٹ گئے
میں ہی لٹی تو بال کیا، انھو وہ بلا سے لٹ گئے

جیسی پھنسی بلا میں اب، اور کبھی پھنسی نہیں
دل میں کبھی خوشی نہیں، منھ پہ کبھی ہنسی نہیں

میری خوشی کی زندگی عقد سے پیشتر رہی
ساتھ تمھارا کیا ہوا، چھوٹ گئے تم سے مر رہی

جذبے دل کے ہزار ہیں، مجھے سب عذاب ہیں
سب مرے دل کا جوش ہیں، سب مرا اضطراب ہیں

کیوں میں عذاب کہہ اٹھی، چوک ہے، یہ قصور ہے
ہجر میں جذب ہی سے ہے، درد کو جو سرور ہے

جذب میں کاش ہو یہ زور، جو تمھیں لائے کھینچکر
گھڑی پتلیوں کے بیچ انھیں بٹھائے کھینچ کر

چاہ کے رخ کھنچے ہوئے ہیں، کاہ ربا سے جیسے گھاس
دل ہے تپش سے بیقرار، تیز ہوا سے جیسے گھاس

کاہ ربا سے گھاس کو کھینچتی ہوں ہزار بار
جذب کو میں دکھاتی ہوں زور کشش کا بار بار

اب بھی نہ بیکسی کشش تو اس سے کوئی کیا کرے
جذب کا نام جذب ہی پھر نہ رہے، خدا کرے

دل مرا لے گئے ہو تم، اسکو نہ چھوڑ دونگی میں
توڑ چکے جو تم تو پھر لاؤ تو جوڑ لونگی میں

کانپتے دل میں لاؤ خوف اپنے خدا کا تم کبھی
اپنی وفا سے دو جواب میری وفا کا تم کبھی

صرف تمھارے دید کی تم سے ہوں طالب اور بس
صرف تمھاری آرزو مجھ پہ ہے غالب اور بس

پھرتے تمھاری شکل سے دل نہ ہٹا نہ ہٹ سکے
اور کسی طرف کبھی دھیان بٹا نہ بٹ سکے

چھوڑ کے جو ذرا کہوں تو ہو خفا مرا خدا
چاہ کو مجھ سے چھین لے دے یہ مجھے سزا خدا

توبہ یہ کیا میں بک گئی، توبہ یہ کیا زباں پہ آ گئی
چاہ تمھاری جب چھٹی پھر تو میں کہیں کی نہ رہ گئی

چاہ کا نام سحر ہو، تم پہ اثر کرے یہ کاش
جذب سے کھینچکر تمھیں رخ کو ادھر کرے یہ کاش

غم سے دبی خوشی مگر چاہ کی یہ خطا نہیں
ہجر ہے جسکی جوش سے درد کی انتہا نہیں

ضبط کی کوئی حد نہیں، چاہ کو میں چھپا چکی
غم کی تو کوئی حد نہیں، کم نہ ہوا میں کھا چکی

اشک بہتے ہیں مگر اشک نہیں آنکھ میں
بڑھ گئے یہ موتیوں سے ہیں مجھکو تمھاری یاد میں

آنچل اگر ہو تر تو میں خشک کروں نچوڑ کر
ساس کے پاس جاؤں تو منہ کو ادھر سے موڑ کر

رہتی ہوں سب سے میں الگ تاکہ نہ تاڑ لیں لوگ
روتی ہوں سب سے چھپکے میں تاکہ نہ دیکھ پائیں لوگ

آتی ہیں ہمسائیاں اگر مجھ میں نہیں ہنسی مری
شرم سے کیا کہوں کہ وہ لیکے دل لگی مری

میں کہوں زبان سے کچھ کھلتا ہے درد رنگ سے
دیکھتی ہیں وہ غم کی شکل چہرے کے زرد رنگ سے

پوچھتی ہیں تو کیا کہوں چھیڑتی ہیں تو کیا کروں
سادھ کے چپ لہو کے گھونٹ بیٹھی ہوئی پیا کروں

جھوٹنے کو جو دو کہیں جا کے بن میں اٹھکے جب سے
گاؤں تو گاؤں ان کے ساتھ غم کو چھپائے بغیر

ساون اگر میں گاؤں بھی تو وہی جس میں درد ہو
راگ میں کھینچے عورت آہ، وہ چپ اس کا درد

گانے کا دم ہی کس میں ہے تان نکلتی ہی نہیں
سانس میں زور ہی نہیں گھٹکے چلتی ہی نہیں

پہلے لچک کے ناز سے کھاتی تھی میں ہزار بل
تم نہیں اب تو ضعف سے کھاتی ہوں بار بار بل

ضعف کا حال کیا کہوں نذر کو پیچ کھا گیا
آہ کے ساتھ بارہا دل مرا منھ تک آ گیا

پال گئے ہو تم جسکو ہوتی ہوں اس سے شاد میں
لے کے اسی کو گود میں کرتی ہوں تم کو یاد میں

چاندنی رات میں مگر دیتے ہو غم ضرور تم
اسکی نظر میں چاند ہو میری نظر سے دور تم

چاندنی رات سنسنی کرتی ہے دل کو سرد وہ
تم مرے چاند مجھ سے دور میرے لیے ہے درد وہ

شب کو پتنگے آتے ہیں گرتے ہیں وہ چراغ پر
اور جلاتے ہیں مجھے دیتے ہیں داغ داغ پر

پاؤں نہیں تو دل نثار گرد پھروں اسی طرح
تم سے ملوں اسی طرح، تم پہ گروں اسی طرح

تم مجھے کیوں نہ لے گئے چل دیے منھ کو موڑ کر
چل دیے مجھ کو چھوڑ کر چل دیے دل کو توڑ کر

ساس کو مجھ پہ رحم کیا ورنہ یہ روکتیں تھیں یہ
نند کو مجھ پہ کیا ترس ورنہ یہ ٹوکتیں تھیں یہ

پاک محبت اور میں ملنے کی فکر کیوں نہ ہو
جوش وفا کا اور دل جہاد کا ذکر [illegible]

جان بھون دے یکی تم کو پیام اور بس
سنتی ہوں شوق ہیں ہیں انکو سلام اور بس

دوسرے رُخ پر ایک نظر

اس میں کچھ شبہ نہیں اندریں حضرت قدوائی بیرسٹر کے لفظ لفظ سے اس بات میں متفق ہوں کہ فطری جذبات کا نثر میں ادا کرنا مشکل ہے نہ نظم میں۔ لیکن میں صرف قلم سے نہیں بلکہ دل سے کہہ رہا ہوں کہ حضرت شوق قدوائی نے جو کامیابی نیچرل جذبات کے دکھانے اور اصلی خیالات کے ادا کرنے سے نظم کی دُنیا میں حاصل کی ہے وہ آج ہندوستان میں انھیں کے دماغ اور انھیں کے قلم کے حصہ میں ہے اور اُنھوں نے صرف شاعری نہیں کی ہے بلکہ اخلاق اور معاشرت کا فلسفہ ان نظموں میں بھر دیا ہے

جو بڑی خوبی ان نظموں میں ہے وہ یہ ہے کہ مرد کا قلم عورت کا دل بنکر بول رہا ہے۔ یہ ایسی لطافت ہے جسکی داد بہ نسبت مردوں کے خوش فہم عورتوں کے دلوں سے اور بھی زیادہ ملنا چاہیے۔ وہ خوش ہونگی کہ اُن کے خیالات اور جذبات کس لطافت کس فصاحت اور کس عفت کے ساتھ ان نظموں میں دکھائے گئے ہیں اور پاکدامنی کے ساتھ وہ محبت اور وفا جو ہندوستان کی نیک سرشت عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ رکھتی ہیں اور جو صرف ایشیا کی عورتوں کا خاص جوہر ہے اسکو یہ نظمیں کیسے کیسے دلآویز پیرایوں میں ظاہر کر رہی ہیں گویا اس بات کی قوی شہادت دے رہی ہیں کہ ہماری عورتوں کے پاکباز دل اپنے ایمان اور اپنی تمناؤں کو صرف شوہروں ہی کی صورتوں تک محدود رکھتے ہیں۔

جن لوگوں نے انگریزی کی نظموں خصوصاً شکسپیئر کے ڈراموں کو دیکھا ہے اور جن کی
نگاہیں سنسکرت اور بھاشا کے دلکش مضامین پر پڑی ہیں وہ نیچرل جذبات اور
ان کی اداؤں کا لطف زیادہ پا سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہی عالم خیال کی نظمیں خیالات
کی ایسی وسعت اور ایسی کششوں کے ساتھ اگر کسی یورپین شاعر کے قلم سے انگریزی
زبان میں نکلتیں تو یورپ کے اکثر حصے اُن کی تعریفوں سے گونج اُٹھتے اور شاعر کا دامن
امید ہر قسم کی داد کے پھولوں سے بھر جاتا، بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر ایسی نظمیں انگریزی
لباس میں نظر آئیں تو یورپ کی آزاد منش عورتیں ہندوستان کی پاکباز عورتوں کے
خیالات سے سچی محبت اور وفا کا سبق لیں۔

حضرت قدوائی بیرسٹر کا یہ خیال صحیح ہے کہ ان نظموں سے پہلے اردو میں (بلکہ
انگریزی میں بھی) ایسی مسلسل بےنظیر نظموں کا وجود نہیں پایا جاتا۔ فارسی کا ذکر ہی فضول
ہے البتہ عربی میں علامہ آزاد بلگرامی نے سنسکرت اور بھاکھا کے خیالات لیکر فطری
جذبات کے نقشے کھینچے ہیں۔ مگر چھوٹے چھوٹے۔ انگریزی کی نیچرل نظمیں عموماً اور رنگوں
کی ہیں۔ یورپ کی عورتیں مثل ہندوستان کی عورتوں کے اپنے خمیر میں وہ جوہر لطیف کم
رکھتی ہیں جو انکو ایسے جذبات کے اظہار اور فراق کے ایسے صدمات کی تصویر کھینچنے پر مائل
کرے جنکی حالتیں ان نظموں سے پیدا ہو رہی ہیں۔ لہذا میری طرح ملک کے ذی فہموں کو یہ بات
تسلیم کرنی پڑیگی کہ اردو میں ایسی بلند اور دلچسپ نظموں کے موجد حضرت شوق قدوائی
ہی ہوئے۔

اب میں نظم پر نگاہ ڈالتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ یہ ہندوستان کی ایک فرقت نصیب
عورت کا خط ہے۔ وہ شوہر کی آمد آمد کا انتظار کر رہی تھی۔ اسی حالت میں پردیس سے

شوہر کا خط آیا کہ وہ ابھی نہین آسکتا ہے۔ عورت بیچین ہو کے اسکو خط لکھتی ہے اور اپنی بیقراری کے اظہار کا سلسلہ یوں شروع کرتی ہے

پا کے تمھارے خط کو آج دل کی تڑپ بڑھی کچھ اور ۔۔۔ دل مین بھڑک کے غم کی آگ جسم پہ چپ چڑھی کچھ اور

خط کو پا کے وہ اور بھی تڑپی اور مایوس ہو کر کہتی ہے

آنے کا آسرا کہان یاس سے وہ بدل چلا ۔۔۔ دل مرا آنسوؤن کے ساتھ بنکے لہو نکل چلا

در کی طرف تھی جو نگاہ یاس سے اب زمین پہ ہے ۔۔۔ ہاتھ کبھی جگر پہ ہے اور کبھی جبین پہ ہے

یاس کی تصویر شاعر نے جس فصیح زبان مین دکھائی ہے یہ اس اصلی تصویر کی جانب خیال کو کھینچے لیے جاتی ہے جبپر یہ دردناک حالت طاری ہو اور مدتون کی جدائی کے بعد ناامیدی جبکی امید کا خاتمہ کرے۔ ان دونوں شعروں میں پہلے شعر کا دوسرا مصرع زبانکی لطافت کے ساتھ شاعرانہ بلاغت کو اعلی پیمانے پر ثابت کر رہا ہے۔

دوسرا شعر ایک ایسی صورت حال کا نظارہ ہے جس سے تین شکلوں پر نگاہ پڑتی ہے،

(۱) در سے نگاہ یاس کا زمین کی طرف آ رہنا جو ایک غمزدہ حالت ہے (۲) کبھی جگر پہ ہاتھ کا ہونا تاکہ درد اور بیچینی اسکو سنبھالے (۳) کبھی جبین پہ ہاتھ کا ہونا جو حیرت کا نقشہ یا درد کی حالت میں سر کے سنبھالنے کا طریقہ ہے۔ یہ شعر اپنی فصاحت کے ساتھ شاعر کی اس قوت شاعرانہ کو ثابت کر رہا ہے جبکی حد انتہا ہے قوت شاعری ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ اس شعر کا نظم کرنے والا فطری اداؤں کا نقشہ کھینچنے میں کامل دستگاہ رکھتا ہے۔

پانچواں شعر جسکو میں آگے لکھتا ہوں اس کا دوسرا مصرع عالم سخن سنجی میں جو شان دکھا رہا ہے اس کا اندازہ وہی سخن فہم کر سکتے ہیں جن کی نگاہیں شاعری کے بلند درجون پر پہنچی ہوئی ہیں

خط سے پڑی جگر پہ چوٹ تازہ زخم ہرے ہوگئے ہیں آج — تم نے ہزار ہا گلے دل میں بھرے ہوئے ہیں آج

زخموں کا ہرا ہونا ایک معمولی محاورہ ہے لیکن یہاں اُس نے اپنے معمولی لطف سے بہت بڑھکے لطف دیا ہے اور اوپر کے اشعار اُمید کے بعد یاس کو ظاہر کر چکے ہیں اب یہ مصرع کہتا ہے کہ فراق کے پچھلے زخم جو اُمید سے بھر چلے تھے اب (یاس سے بھری ہوے) خط کی چوٹ کھا کے ہرے یعنی تازے ہوگئے۔ دوسرے مصرع کی شرح کہاں تک لکھی جاے اسمیں "ہزار ہا گلے" کے الفاظ ایسے ہیں جنکے وسیع مطالب کو دل سمجھ سکتا ہے مگر زبان نہیں ادا کر سکتی۔

آگے چل کر قادر الکلام شاعر نے درد جگر کی حالت جس فصاحت لطافت اور بلاغت کے ساتھ دکھائی ہے یہ اُنھیں کے دماغ اور قلم کا حق ہے گویا درد نصیب عورت یہ کہہ رہی ہے سب کے جگر میں خون ہے میرے جگر میں درد ہے — سب کا شباب لال ہے میرا شباب زرد ہے

جو شاعرانہ کمال اور فصیحانہ لطف اس شعر میں ہے وہ صاف کہہ رہا ہے کہ زبان بندش خوبی مضامین غرض نظم کے تمام اوصاف حضرت شوق قدوائی کے قبضہ قدرت میں ہیں دوسرے مصرع میں شباب کے زرد ہونیکا رنگ اس پر جس اثر کے ساتھ جمتا ہے اُسکی حالت سخن فہموں کے دلوں سے پوچھی جاے مصرع اول کو مصرع ثانی سے جو ربط ہے یہ کمال فن کی قطعی شہادت ہے یعنی "سب کے جگر میں خون ہے" اس سبب سے "سب کا شباب لال ہے اور میرے جگر میں درد ہے" اس سبب سے "میرا شباب زرد ہے" درد کا خاصہ ہے کہ چہرے کی رنگت کو بدل دیتا ہے۔

اوپر کے اشعار میں اگرچہ پاکباز عورت اپنے شوہر کے ساتھ محبت کا اظہار اسکے خط کو بار بار چوم کے اور اپنے خیال کو اُسکی انگلیاں چومنے کیلیے بھیج کے بہت پیرایے میں کر چکی ہے جن اشعار کو میں نے طوالت کے خیال سے نہیں لکھا لیکن جو اشعار آگے

لکھوں گا اُن کے سخن گسترانہ مذاق کی خوبیوں کے مجھے وہ لطف دیا ہی جسکو میں قلم کی زبان سے نہیں ادا کر سکتا۔ عورت کی بیقراری کا سبب فراق ہی اور فراق کو وہ اپنے شوہر کا ستم قرار دیتی ہی، اور اخلاقی فلسفہ سے کام لے کے کہتی ہی ؎

تم نہ ستم کرو تو کیوں، دل مرا بے قرار ہو　　میں نہیں چاہتی کہ تم میرے گناہگار ہو
کیا میں خدا کے سامنے تم کو سزا دلاؤنگی　　اپنی وفا کے نام کو خاک میں کیوں ملاؤنگی

پہلے شعر کا دوسرا مصرع اگر موتیوں کے ساتھ تولا جائے تو مصرعے ہی کی قیمت بڑھی رہے۔ زبان ہی کہ فصاحت کا دریا جسکی ایک لہر بنکے یہ مصرع نمودار ہوا "میں نہیں چاہتی" کا لطف ادا فہموں کے دلوں سے کوئی پوچھے۔ انسان پر ظلم کرنا حق العباد میں داخل ہی، اس خیال کو پیش نظر رکھ کے شوہر کی بی بی خواہ عورت اُسکو اپنا گناہگار بنانا نہیں چاہتی۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ خدا کے سامنے وہ اُسے سزا نہیں دلا سکتی محبت کا مقتضا یہی ہی اور اپنی وفا کو وہ برباد کرنا نہیں چاہتی، جو اسکی زندگی کا سرمایہ ناز ہی۔ پھر وہ اپنے خیال کو جذب کی طرف پھیرتی ہی اور کہتی ہی ؎

چھپ گئے پتلیوں میں تم اُن کو نظر نہ آؤگے　　یہ تو کہو کہ کس طرح دل سے نکل کے جاؤگے

یہ محبت آمیز طنز دل کے جذب کو جس خوبی سے ظاہر کر رہی ہی میرے خیال میں اس سے زیادہ لطیف پیرایہ قلب کی قوت مقناطیسی کے اظہار کا اور ہو ہی نہیں سکتا۔

جذب کو ظاہر کر دیا اور یہ تو کہہ دیا کہ تم کو دل سے میں نہیں نکلنے دونگی۔ مگر فراق کی کاہشوں کا دکھانا بھی ضروری تھا تاکہ شوہر کو ترس آجائے، تو اب کیا کہتی ہی ؎

دل میں جمے ہو تم مگر چوس رہے ہو خون کو　　سرمہ خیال بن کے تم دیتے ہو شہ جنون کو

اپنے خشک اور زرد ہونے کی صورت پہلے مصرع سے ظاہر کی ہی اور دیوانگی کی حالت

دوسرے مصرعے سے آخر فراق کی گرمی سے دل جل اُٹھا تو بیجواس ہنگے کہ اُٹھی سے

ہم مرا اُوسے بڑھ کے گرم دل مرا بیجو اس پر — جسم میں جل گیا لہو ورابھی تپ کی پیاس ہے

اِس شعر کا دوسرا مصرع شاعرانہ نازک خیالی اور فصاحت کے ساتھ بلاغت کے عرش پر جا پہنچا ہی، اور کس لطف سے اِس خیال کو ظاہر کر رہا ہی کہ بدن میں خون نہیں ہا لیکن تپ کی پیاس نہیں بجھی یعنی میں نہایت نقیہ ہو گئی ہوں تپ اب بھی مجھے گھیرے ہوئی ہی۔ کیسا ہی رنج اور کیسا ہی غم کیوں نہ ہو فطرت کا یہ مقتضا ہی کہ کسی نہ کسی وقت دل کی تسکین کے لیے کوئی نہ کوئی تسلی دینے والا خیال پیش آجاے ایسا نہو تو رنج و غم کا سلسلہ زندگی کی ضرورتوں سے انسان کو مبہوت رکھ کے تنفس کے سلسلے کو منقطع کر دے

ذاق کی کاہشوں اور یاس کی کاوشوں سے شوہر کی وارفتہ عورت کو تشفی دینے کے لیے اگر کوئی چیز اُسکے سامنے ہی تو وہ یہ ہے جسکو وہ یوں بتا رہی ہی سے

تپنے میں ہر ایک چیز بیمین مجھکو اُسی سے ہے — اُنس ہی تو اسی سے ہے اور نہیں کسی سے ہے

وہ اپنے اُنس کو صرف اسی چیز پر منحصر کرتی ہی۔ یہ اُس کی عفت اُسکے نیک خیال اور اُسکے پاکیزہ نفس کی قطعی شہادت ہی، یہ وہی اوصاف ہین جو ایشیا کی پاکباز عورتوں کے واسطے سرمایۂ ناز ہین اور جن کو قادر الکلام شاعر نے "اُنس کا" اِسی پر انحصار کر کے "اور نہیں کسی سے ہی" اِن چند الفاظ سے نہایت فصاحت اور قوت کیساتھ ظاہر کر دیا۔ اب عورت اپنے اُنس کی مزید شہادت قول سے بڑھکر اظہار محبت کے فعل سے یوں پیش کرتی ہی سے

دیکھتی رہتی ہوں اُسے پیار کے ساتھ بار بار — اسکی بلائین لینے کو بڑھتے ہین ہاتھ بار بار

ادا شناس خیال فرما سکتے ہین کہ یہ شعر جسمین سلیس اور فصیح الفاظ کے ساتھ لطافت

اور عورت کی فطری حالت کی خوبیاں بھری ہوئی ہیں، عورت کی زبان سے نکل کر کتنا لطف دے سکتا ہے۔

اب عورت اپنے خیال کو چکر میں ڈال کے، کہ آخر ہے وہ کیا چیز، اسکو ان پاکیزہ الفاظ مین ظاہر کرتی ہے ؎

ہے یہ تمھاری ہی شبیہ، اور یہ میری جان ہے　　اسمین تمھارا حُسن ہے، اسمین تمھاری شان ہے

یہ شعر کیسی سیدھی سادی اُردو مین ہے، مگر کتنا پُر اثر اور کس قدر پاکیزہ ہے، لطیف بندش اور فصیح الفاظ کے علاوہ آپ اس بات کو دیکھیے کہ محبت سے بھری ہوئی عورت کی زبان سے نکل کر، وہ شوہر کے دل کو کتنی جنبش دے سکتا ہے۔ پھر آگے چلکر عورت اپنے دل کی تسکین کا اظہار کیسے دلآویز طریقے سے کرتی ہے، اور کس پیاری ادا سے کہتی ہے ؎

تم نظر آہی جاتے ہو، اے وہ خیال ہی سہی　　کچھ نہیں تو شبیہ سے صرف جمال ہی سہی

اس شعر مین علاوہ اور تمام لطافتوں کے لفظ "اے" کا لطف وہی لوگ پا سکتے ہیں جو بول چال کی خوبیوں اور اُس کی نزاکتوں سے واقف ہیں۔ یہ ایک لفظ ثابت کر رہا ہے کہ جس نے اس شعر کو کہا وہ زبان پر قادر، اسکے نکات پر حاوی، اور ادا بندی پر پورا قابو کیے ہوئے ہے۔

عورت تصویر سے صرف خیالی تشفی تو حاصل کرتی ہے لیکن فراق کا صدمہ جو اُسکے دل میں نشتر چبھو رہا ہے، اُس سے چین اُسی وقت پا سکتی ہے جب شوہر کو حسرت زدہ آنکھوں سے دیکھ لے۔ ایسے نظارے کی امید یاس سے منقطع ہو چکی تو وہ مضطرب ہو کے نہایت درد انگیز آواز سے کہہ اُٹھی ؎

تم سے مرے نصیب میں شاید ابھی کرم نہیں　　وہ ہین بڑی ہی خوش نصیب ہجر کا جنکو غم نہین

جن کو خوش نصیب کہا اور بہت صحیح کہا اُن کی خوشیوں اور اُن کے حوصلوں کے نقشے کھینچ کے وہ اپنے شوہر کو دکھاتی ہے تاکہ اُن کی خوشیوں سے اُسکے صدموں کا موازنہ کر سکے۔ اور کہتی ہے ۔

رہتی ہیں شوہر کے ساتھ خوب سنگار کر کے وہ ۔ ہنستی ہیں کھلکھلا کے وہ تنتی ہیں بن سنور کے وہ
وہ جو بیاہ کے ہیں پڑی ہیں شاخ گلوں کی ہیں چڑھی ۔ ہونٹھ جو ہنسکے کھلکھلا پڑے گل کی کلی سی کھل پڑی
بال کھلے تو کھا کے بل دل کو لپیٹ لے گئے ۔ دل میں بھپے جتنے ولولے سب کو سمیٹ لے گئے
کچھ تو ہے خود بدن میں کس تنتی ہیں کچھ ادا کیسا تھ ۔ کچھ تو ہے حسن قدرتی بنتی ہیں کچھ ادا کیسا تھ

ان چار اشعار میں دوسرے شعر کے الفاظ کی لطافت تیسرے شعر کے دوسرے مصرع کا قافیہ اور ولولوں کے سمیٹ لیجانیکی ادائے شاعرانہ اور چوتھے شعر میں فطری حسن کے ساتھ بن سنور کے اترانیکی تصویریں جس خوبصورتی سے کھینچی گئی ہیں آپکی داد اُن ادا فہموں کے دل دیں جو سخن سنجانہ مذاق دلربایانہ اداؤں کے لطف سے آشنا ہیں چوتھے شعر کا آخری مصرع قدرتی حُسن کے ساتھ بناوٹ کی ادا کو جو عورت کے حسن و دلفریبی کی ایک خاص شان ہے کس خوبصورتی سے ظاہر کر رہا ہے۔

خوش نصیبوں کی صورتیں دکھانے کے بعد عورت اپنی بے نصیبی کا نقشہ کن حسرتناک الفاظ میں دکھاتی ہے تاکہ شوہر دونوں کی حالتوں کو لطف اور بے لطفی کے دونوں پلّوں میں تول کے عدل سے اعتدال قائم کر سکے۔ وہ کہتی ہے ۔

مجھکو ہے غم تو پھر سنگار کون کرے بھلیں کہو ۔ دیکھ کے حُسن مجھکو پیار کون کرے بھلیں کہو

شوہر کے فراق پر سنگار کو تج بیٹھنا یہ اظہار محبت تو ہے ہی، مگر شعر اس سے بڑھکر پاکدامنی کی شہادت دیتے رہا ہے یعنے سوا شوہر کے دُنیا میں اُسکے سنگار اور حسن کا کوئی دیکھنے والا

نہیں تو تمھیں کھو" کا لطف کوئی زن دالون سے پوچھے۔ یہ ایسا سوال ہی جس کا جواب اگر شوہر دے تو رحم محبت، اور اظہار وفا کے سوا دہ اور کچھ سے ہی نہیں سکتا۔ اور یہان اخلاقی فلسفہ کا نتیجہ یہی نکلنا چاہیے۔

اب دہ زیور سے بیزار ہوکے مختلف زیورون کا نام لیتے لیتے کس فصاحت سے کہتی ہو سہ

ہار ہین تپتے بالیان خار ہیں چبھتے دنتیاں	کسکو دکھاؤں اپنے کان اب ہیں نہیں ہیں کے جہان

"ہار" اور "خار" کا تناسب الفاظ، اور دہ دونوں زیور جو قافیے ہیں آئے ہیں اُنکی لطافت قافیے کی صورت ہیں یہ شاعرانہ لطافتیں سخن فہموں کو وجد میں لاتی ہین

اسی زیور کے سلسلے میں پھر کہتی ہو سہ

دیتی ہو داغ آرسی مین نہ چھوونگی اب اسے	آتی ہو زرد رو نظر دیکھتی ہون ہیں جب اسے

آرسی کے شیشے کو داغ سے جو مشابہت ہو دہ تو ہو ہی دوسرے مصرعے کی بلاغت اور اسکے مضمون کی لطافت حضرت شوق کی شاعری کو انتہائے کمال پر ثابت کیے ہوے ہی۔ زرد رو نظر آنے سے چہرہ کی زرد رنگت کا اظہار کس نازک خیالی سے کیا گیا ہو کہ سبحان اللہ۔

دہ چند اشعار کے بعد ایک ایسا حسرت کا سین دکھاتی ہو جسکا خیالی نقشہ اگر کسی دل کو اپنے اثر سے مغلوب نہ کرسکے تو اس دل پر انسان کے دل کا اطلاق مشکل ہو، کہتی ہو سہ

میری خوشی کی زندگی عقد سے پیشتر رہی	ساتھ تمھارا کیا ہوا چھوٹ گئے تھے مر رہی

یہ شعر اپنے عمدہ مذاق سے ہمارے ملک کی بادفا اور باعصمت عورتوں کی زندگی کا

پورا فلسفہ ہے۔ عقد سے پیشتر وہ اپنے ماں باپ کے گھر جس خوشی سے زندگی بسر کر چکی تھی
اُس کو اب حسرت کے ساتھ یاد کر رہی ہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں۔ کہ عقد کے بعد عورت
کی ایک دوسری زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ اب اس شعر کو آگے رکھ کے اگر دونوں زندگیوں
کی حالتیں دکھائی جائیں تو اخلاق اور طرز معاشرت کے فلسفیانہ مذاق کی ایک بڑی
کتاب تیار ہو جائے۔ حضرت شوق نے کمال سخن سنجی سے دریا کو کوزے میں بھر دیا ہے۔
اس کو اعجاز فن کہنا چاہیئے۔

عورت جوش محبت کے ساتھ اپنے جذب کا اظہار کس لطف سے کرتی ہے اُسکے
خیال میں قوت جاذبہ کمی کر رہی ہے، اسکو یوں اُبھارتی ہے ؎

کاہ رُبا سے گھاس کو کھینچتی ہوں ہزار بار　　جذب کو میں دکھاتی ہوں زور کشش کا بار بار
اب بھی نہ کشش کرے، تو اُسے کوئی کیا کرے　　جذب کا نام جذب ہی پھر نہ رہے خدا کرے

اِن دونوں اشعار میں جس شکل سے جذب کو شہ دی گئی ہے اسکی نازکخیالی اور بلند پایہ
شاعری کی داد دل سے بیساختہ ہونٹھوں پر آکے باہر نکلی پڑتی ہے۔

وفا اور محبت کا جوش ظاہر کرتے کرتے دل شکستہ عورت کو وہم ہوا کہ شاید شوہر کو
یقین نہ آئے، تو وہ اپنی تحریر کو جھوٹ سے پاک ثابت کرنے کے لیے کیسا دردانگیز
خیال اور کیسی محبت خیز سزا اپنے واسطے پیش کرتی ہے ؎

جھوٹھ جو میں ذرا لکھوں تو ہو خفا مرا خدا　　چاہ کو مجھ سے چھین لے دے یہ مجھے سزا خدا

کہتے تو کہہ گئی، مگر فوراً اسکو تنبہ ہوا کہ اگرچہ وہ سچی ہے لیکن چاہ جو اُسکے جذبات کی جڑ ہے
اور جن جذبات کو وہ خود بہت عزیز رکھتی ہے اُس کا نام ایسے موقع پر کیوں لیا۔ خیال
کے آتے ہی اُس نے اپنی زبان بدلی اور کہہ اُٹھی ؎

توبہ یہ کیا میں بک اُٹھی توبہ یہ کیا میں کہہ گئی چاہ تمھاری جب چھپی پھر تو میں کچھ نہ رہ گئی

اس سے زیادہ چاؤ کی قدر اور کیا ہو سکتی ہے، مصرع دوم کا آخری حصہ "پھر تو میں کچھ نہ رہ گئی" کے الفاظ سے بول چال کی لطافت اور محاورے کی نفاست کو کس بلند پایے اور کیسے دلآویز پیرایے کے ساتھ ظاہر کر رہا ہے۔

آگے چل کر وہ اپنے رونے پر کس لطف سے پردہ ڈالتی ہے ؎

آنچل اگر ہو تر تو میں خشک کروں نچوڑ کر ساس کے پاس جاؤں تو منھ کو اُدھر سے موڑ کر

اس شعر کی خوبیوں نے دل کو جسقدر مسرور دیا ہے، اُس کی شرح قلم سے مشکل ہے۔ نسوان کی ادا کا ایسا سچا اور صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے، جس سے بہتر کوئی دوسرا نقشہ ہو نہیں سکتا۔ ساس سے روتی ہوئی صورت ایسے عمدہ پیرایے میں چھپائی گئی ہے کہ میں بلند آواز سے حضرت شوق کو اُنکے مذاق سخن اور کمال فن کی داد دیتا ہوں۔ نظم میں ایسی سہل ممتنع نقاشی اُنھیں کا حق ہے۔

ہمسن عورتیں اس سے ملنے کو آتی ہیں، تو وہ اُن کو عمزدہ صورت کس درد انگیز حالت کے ساتھ دکھاتی ہے، اور کس ضبط سے کام لیتی ہے ؎

آتی ہیں ہمسنیں اگر مجھ میں نہیں ہنسی مری شرم سے کیا کہوں کہ وہ لیگئے دل لگی مری

میں نہ کہوں زبان سے کچھ کھلتا ہے درد رنگ سے دیکھتی ہیں وہ غم کی شکل چہرے کے زرد رنگ سے

پوچھتی ہیں تو کیا کہوں چھیڑتی ہیں تو کیا کروں سادھ کے چپ لہو کے گھونٹ بیٹھی ہوئی پیا کروں

"وہ" کا اشارہ، اسے سبحان اللہ زبان ہے کہ نظم کے رشتے میں موتی پرو رہی ہے؛ بیان ہے کہ تعامت کے ساتھ فطری حالتوں اور اداؤں کی سچی نقاشی کر رہا ہے۔ دوسرے شعر نے خاموشی کی بات تیسرے رنگ سے درد کا اظہار کیا ہے، اور تیسرے شعر نے سکوت اور ضبط

کی جیسی ہیئت دکھائی ہو، یہ دلچسپیاں نگاہوں سے دلون پر قبضہ کر رہی ہین۔
فطرت کا مقتضا یہ ہو کہ اضطراب کے سلسلے مین کوئی نہ کوئی تسکین دینے والا
بھی پیدا ہو، ایسا نہ ہو تو غیر متناہی سلسلہ انتشار اور صدمون کو بڑھاتے بڑھاتے
دماغ کو مختل کر کے انسان کی حیات کا خاتمہ کر دے۔ فرقت نصیب عورت نے تسکین
کی ایک صورت شوہر کی تصویر پائی، اور دوسری صورت چکور سے جسے اسکا شوہر
پال کے چھوڑ گیا تھا۔ چکور کا نظارہ کس لطف سے شوہر کی یاد کا محرک ہو کہتی ہو
پال گئے ہو تم چکور ہوتی ہون اس سے شاد مین لیکے اسی کو گود مین کرتی ہون تم کو یاد مین
لیکن چکور کی فطرت جو شب کو اُسے چاند کی طرف متوجہ کرتی ہو، اُس کا نظارہ عورت کی
زبان سے کیسا حسرت انگیز واقعہ پیش کرتا ہو، وہ شوہر کو لکھتی ہو ؎
چاندنی رات مین گزر دیتے ہو غم ضرور تم اُسکی نظر مین چاند ہو میری نظر سے دور تم
یہ حسرت کا سین جسقدر دلچسپ ہو، اس سے زیادہ شاعر کی تخئیل قابل تعریف ہو
کہ زمین کے خیال کو طبیعت کی بلندی سے آسمان پر پہنچا کے چھوڑا۔
چند اشعار کے بعد عورت باوجود بیجا ہونیکے اپنی خطا کا ذکر کس لطیف پیرا
مین کرتی ہو اور کیسے دلآ ویز طعنے سے شوہر کے دل کو گھر کی طرف کھینچتی ہے۔ وہ
حجاب، جو شریف عورت کی طرز معاشرت مین اس وقت لازمی ہو جب شوہر کسی کی
موجودگی مین گھر کے اندر قدم رکھے، ادا تو اسی حجاب کی بیان کی گئی ہو، لیکن
طنز آمیز اور دلکش آواز کے ساتھ۔ اس طرح کا حسن بیان نگاہ اور دل دونوں کے
ساتھ جادو کا کام کر رہا ہو۔ وہ کہتی ہو ؎
کی نہین ہے نے کچھ خطا کہی ہو آ کے دل جاؤ تم مجھکو نہ دیکھنا، مگر غیر سے گھر کو آؤ تم

اُدھر جو تم تو رُخ پہ میں آنچل اُٹھا کے ڈال لوں ۔ اسمیں تو ہرج کچھ نہیں جھانک کے دیکھ بھال لوں

نیا اسے بہتر اور دلفریب ادا سوا حضرت شوق قدوائی کے اور کسی شاعر نے اُردو یا فارسی میں دکھائی ہو پتہ نہیں۔ یہ قدرت سخن پر انھیں کی زبان کو حاصل ہو کہ حجاب اور اُسکے ساتھ جھانک کے دیکھنے کا خوشنما منظر نگاہوں کے سامنے پیش کردیا جسکے لطف سے دل کبھی آسودہ نہیں ہو سکتا۔ خیر سے "کہکے عورت کی زبان نے محاورے کے جسم میں تازہ جان ڈال دی ہو۔

عورت خط لکھ رہی تھی کہ ابر آگیا، مور بول اُٹھا پپیہے انار کے پیڑ پر آ بیٹھے۔ یہیں جس نفاست سے دکھایا گیا ہو، اُس کی تعریف کہانتک کی جائے، وہ کس حسرت کے ساتھ کہہ رہی ہو ــ

ابر اُمنڈ کے آگیا ہو گو نگی اُسکے ساتھ میں ۔ اپنے جگر کے خون سے دھوؤنگی مہندی کے ہاتھ میں

بول اُٹھا وہ مور ہاتھ سے اب تو دل گیا ۔ مجھکو نہ مل سکوگے تم اسکو تو ابر مل گیا

گھر میں ہی پیڑ انار کا، اسپہ پپیہے آتے ہیں ۔ دیکھ کے میری بیکسی مجھپہ ترس وہ کھاتے ہیں

وہ نہیں بیٹھتے کبھی پیڑ کے اوپر آکے چپ ۔ تم کو پکارتے ہیں یہ ورنہ شرم سے مجھکو لگی ہے چپ

تیسرے شعر کا دوسرا مصرع غضب کا حسرت انگیز ہو تو ہو پپیہوں کا ترس کھانا اور ناچیز عورت جو دل کے جذبات کو شوہر کے نام سے زبان پر نہیں لاسکتی، اُسکی خاطر سے پکارنا۔ یعنی "پی کہاں" کی آواز نکالنا، ان اداؤں کا اظہار ایسی فصاحت اور لطافت کے ساتھ یہ شاعری کیا ہو سحر بیانی ہو۔

طرز معاشرت سے ہمارے ملک کی عورتیں جس حالت میں ہیں، اسکی پوری داستان حضرت یہ ایک مصرع کہہ رہا ہو ع

عورت اگر بدن ہو پڑی ہماری مری خطا نہیں

سچ یہ ہے کہ یہ ہے تو ایک ہی مصرع، مگر ایک ہزار اشعار بھی کہے جائیں تو شاید اُسکی شرح نہ ہو سکے۔ "ہو پڑی" کا محاورہ زبان کیا دل سے داد لے رہا ہے۔

دردانگیز خط لکھتے لکھتے عورت کا نازک دل ضبط کی طاقت کھو بیٹھا، اور اُسکے آنسو بیساختہ ٹپ ٹپ پڑے، وہ اِس حالت کو کس مجبوری مگر کس خوبی کے ساتھ ظاہر کرتی ہے

اشک کے ٹپک پڑے خط ہوا ترمیں کیا کروں — بھیگ کے کچھ بگڑ گئے حرف مگر میں کیا کروں

بندھ گیا آنسوؤں کا تار خوشی سے میں دیکھ کر جسے — بنگیا موتیوں کا ہار پہنے تمہاری یاد اسے

دوسرے شعر کی شاعرانہ نازک خیالی حضرت شوق کی کمال معنی آفرینی کی قطعی دلیل ہے یاد کو ہار پہنانا، اس کا مزہ سخن فہموں کے دلوں سے پوچھنا چاہیے۔ "میں کیا کروں" کی ردیف محاورے کی لطافت کے ساتھ مجبوری کی سچی اور دلچسپ تصویر ہے۔

آخر عورت حسرت اور یاس سے مجبور ہو کے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو رہی ہے، اور کس پُردرد آواز سے کہتی ہے

ہجر سے گذری موت ہے، اُتو جلکر گرونگی میں — اپنے بدن کی آگ سے آپ ہی جل مرونگی میں

مجھ کو یقین ہے کہ تم آکے مجھے نہ پاؤ گے — آکے نہ پاؤ گے تو کیا، میری لحد پہ آؤ گے

فاتحہ بھی پڑھو گے تم ہاتھ اُٹھا کے یا نہیں — روح کو خوش کرو گے تم پھول چڑھا کے یا نہیں

سبزے کو دیکھنا ضرور مجھ پہ وہ بار ہو نہ جائے — نرم رہے، ہرا رہے، سوکھ کے خار ہو نہ جائے

پہلے شعر کا دوسرا مصرع ہجر کی تپ کا جو دردانگیز نتیجہ نکال رہا ہے اس کی لطافت اور اُسکے بیان کی فصاحت لاجواب ہے۔ بیچ کے دو شعر حسرت کی کیسی دردناک تصویر کھینچ رہے ہیں اور جو اس نظم کے خاتمہ کا شعر ہے، اس پابند شعر کو قادر سخن شاعر نے لکھ کے قلم ہی توڑ دیا۔

اِس نظم کی داد جو کچھ مین نے دی، یہ اگرچہ اُس تخئیل کی پوری داد نہیں ہی جسکے موجد اُردو زبان کی دنیا میں منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی ہوے ہین۔ البتہ نظم کے فطری خیالات اور دل کے اصلی جذبات کا صحیح اندازہ میرے اس ریویو سے کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ جن لوگوں نے انگریزی نظمون کو دیکھا ہی وہ انسان کے فطری جذبات اور عام طور پر نیچر کے مناظر کی قدر ضرور ان لوگون سے زیادہ کر سکتے ہین جنکی نگاہین ان تک نہیں پہنچی ہین، اور جن کے دماغ نیچر کی فلاسفی سے ناآشنا ہین۔ انگریزی میں ایسے سِلسِلے کے ساتھ اِس قدر انسانی جذبات اور فطری حالات سے بھری ہوئی نظم یقیناً نہ ملے گی۔ اسکے جہاں اور اسباب ہوں وہان ایک بڑا سبب یہ ہی کہ ایشیا کی شوہر پرست عفت مآب، اور با وفا عورتوں کا مذاقِ زندگی جسقدر پاکیزہ ہی اسکی مثال اور کسی ملک میں نہیں مِل سکتی۔

بعض نافہم جو نیچر کے فلسفہ سے ناواقف ہیں، اور جنکی نگاہین علوم کی منزلوں کو طے کر کے حیاتِ انسانی کے جذبات اور فطری واقعات تک نہین پہنچی ہین، وہ اس قسم کی نظموں کے نازک خیالات اور لطیف معاملات کے سمجھنے ہی سے مجبور ہون تو کیا تعجب ہی۔ ان کی مثال ایسے لوگوں سے دینی چاہیے جو بغیر بصارت کے دنیا مین پیدا ہوے۔ وہ تو نہ دنیا کو دیکھ سکتے ہین نہ جان سکتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہی۔

کوئی انسان، مرد ہو یا عورت، دلی جذبات سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ اور بات ہی کہ سوسائٹی کا اثر کہیں اسکو ایک رنگ میں ظاہر کر دے، اور کہیں دوسرے رنگ میں۔ ہندوستان کی پاکباز عورت جسکا راز دار جسکے دلی جذبات سے واقف ہونے والا سوا اسکے شوہر کے کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا، وہ اگر شوہر سے بھی جذبات کا اظہار نہ کرے

تو یقیناً اس کا دم گھٹ جائے، اور اس کی زندگی کو تپ دق ختم کر دے۔

میں نے منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی کی سب نیچرل نظمیں لکھی ہیں میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ جس طرح وہ قدرت سخن سرائی سے فطری اداؤں کے دکھانے اور جذبات انسانی کے سچے نقشے کھینچنے پر اعلیٰ درجہ کی زبان کے ساتھ قادر ہیں، اسی طرح وہ سائنس اور فلاسفی کے اہم مسائل کو سلیس اور فصیح زبان میں نظم کر دینے پر بھی قادر ہیں۔ ان دونوں اصناف سخن کے موجد اردو زبان میں وہی ہوئے، اور شاعری کے خزانے میں جو گراں بہا جواہر وہ بھر رہے ہیں اُن کے اعتبار سے سخن سنجی کی تاریخ میں ان کا نام سنہرے حرفوں سے لکھا جائے گا۔ ان دو صنفات سخن کے علاوہ اُنھوں نے بہار اور برسات کی نظموں میں جو لطف سبزی کا دکھایا ہے، اور مختلف اقسام کی نیچرل نظموں میں اسی نظم کے مناسب جو لطافتیں ظاہر کی ہیں اُن سبھوں کی مجموعی حالت خود [illegible] سے کہہ رہی ہے کہ وہ قادر الکلام ہیں، اور صرف معمولی قادر الکلام نہیں بلکہ فلاسفر اور سحر البیان قادر الکلام۔

میں اپنے معزز دوست مسٹر قدوائی بیرسٹر ایٹ لا سے متفق ہوں کہ عوام نے اردو میں نیچرل مضامین کی بہت کچھ مٹی خراب کی ہے۔ آج بھی بکثرت ایسی نظمیں نظر آتی ہیں جو شاعری کو بدنام کر رہی ہیں۔ اُردو شاعری کا نصیب پھر بھی اچھا ہے کہ آخر وہ حضرت شوق قدوائی کا سا لبند پایہ شاعر نیچرل نظموں کے لیے پا ہی گئی ورنہ خدا جانے مغضوب کی مٹی کب تک خراب ہوتی۔

اب میں اس ریویو کو ختم کرتا ہوں اور ظاہر کیے دیتا ہوں کہ اگرچہ تمام نظم فصیح زبان [illegible] خیالات [illegible] جذبات انسانی کے فطری جذبات سے بھری ہوئی ہے لیکن [illegible]

زیادہ طوالت کے خیال سے صرف چند اشعار ہی پر ریویو کر سکا اس سے پورا نہیں تو ایک حد تک اس اردو نظم کی بلند شاعری اور فطرت انسانی کی پُراثر کششوں کا اندازہ مل جائے گا۔

محمد سلیمان (بیرسٹرایٹ لا)

تیسرا رُخ

شوہر نے عورت کے خط کا جواب لکھا ہے

تمہارے خط کو دیکھ کر نظر اسی میں گڑ گئی
تمہاری شکل خط کے ساتھ پتلیوں میں پھر گئی

ہے لفظ لفظ خط کا درد و غم کی داستان سے
قلم تمہارا دل بنا وہ بول اُٹھا زبان سے

تمہارے سب گلے بجا، تڑپ بجا، الم بجا
تمہاری سب شکایتیں، تمہاری ہی قسم بجا

وہاں جو دل میں سوز ہے یہاں بھی آہ سرد ہے
وہاں جو رنگ زرد ہے یہاں بھی رخ پہ گرد ہے

اُدھر بھی چوٹ اِدھر بھی ہے، عتاب اِدھر نہ تاب اُدھر
نہ چین اِدھر نہ چین اُدھر، عذاب اِدھر نہ خواب اُدھر

اُدھر ٹہل کے شب کٹی، اِدھر تڑپ کے شب گئی
یہ سوچ شام ہی سے ہو کہ دیکھیں رات کب کٹے

تمہارا چین میں ہی تھا، جو دور ہیں تو درد ہے
سرور میرے دم سے تھا، نہ میں نہ اب سرور وہ

مری خوشی تمہی سے تھی، نہ تم نہ اب خوشی مری
فراق چھین لے گیا اڑا کے سب خوشی مری

وہ دن خیال ہو گئے، وہ باتیں خواب ہو گئیں
وہ دو دلوں کی راحتیں سب اضطراب ہو گئیں

نہ ان لبوں پہ وہ ہنسی، نہ رخ پہ اب وہ رنگ ہے
نہ روح میں وہ تازگی، نہ دل میں وہ امنگ ہے

شباب، رنگ، حسن، ان کی صورتیں بگڑ گئیں
گھروں میں لوٹ پڑ گئی تو بستیاں اُجڑ گئیں

جہان کوئی دوسرا جو غم سے پاک ہو کہیں
تو ہم تم اس جہان سے نکل چلیں نہیں یہیں

یہاں ہزار آفتیں انھیں یہ دل ٹھرا کریں — یہاں ہزار گردشیں انھیں یہیں سر پڑا کریں

وہ ملک چل کے ڈھونڈھ لیں جہاں نہ آسمان ہو — جہاں نہ اُسکے ظلم سے مصیبتوں میں جان ہو

جہاں نہ ہو جلن کہ سکوہ اُسکا داغ دے سکے — جہاں نہ میں ہی ہو کہ تو مُنھ میں لے سکے

جہاں نہ کوئی فکر ہو، نہ بھوک ہو نہ پیاس ہو — جہاں نہ میں اُداس ہوں جہاں نہ تم اُداس ہو

تمھارے آنسوؤں کے داغ خط میں جس جگہ پڑے — وہ خط سے میرے آئیں آکے داغ بنکے دل پڑے

تمھاری عمر ہو دراز، اجل کا نام چھوڑ دو — حسد کے مُنھ میں خاک مُنھ سے پیالا چھوڑ دو

ہوا الحسد کے سبزے کی بھرے نہ پھر دماغ میں — ہے سبزہ نرم اور ہرا تمھارے خانہ باغ میں

نہ تم ہو بھولنے کی شے، نہ تم ہو چھوٹنے کی شے — قسم خدا کی تم ہو دل میں اور دل بغل میں ہے

نظر میں کھب گئے، نور بن گئے، تم ہی نظر میں ہو — جمال بنکے دل میں ہو، خیال بنکے سر میں ہو

تمھاری مسکراہٹوں کو یاد کر رہا ہوں میں — کھلیں نہ دانت اس ادا پہ صاد کر رہا ہوں میں

وہ لب وہ انکی جنبشیں مری نظر کو یاد ہیں — وہ ہلکی ہلکی چٹکیاں مرے جگر کو یاد ہیں

وہ ترچھی ترچھی چتونیں ستم کریں بھریں صد جھر — وہ کالی کالی پتلیاں کبھی اُدھر کبھی اِدھر

وہ بال کھول کر کبھی جھٹک کے سر کو تھامنا — لچک پڑے بدن تو پھر لپک کے در کو تھامنا

لبوں کو اپنے پونچھنا وہ آرسی کو دیکھ کر — نہ پھیل جائے تاکہ رنگ پان کا اُدھر اِدھر

وہ نازکی کہ تم نے کہہ کے یہ اُتاری آرسی — گراں ہی میرے ہاتھ پر جڑاؤ بھاری آرسی

وہ ناپسند لونگ کا بھویں چڑھا کے پھیرنا — وہ میری سمت پھر نظر کو مسکرا کے پھیرنا

گلوریوں کی صورتیں وہ خوشنما نئی نئی — سپیدیاں ادا ادا رانیں اُسکے سیتی

وہ سادگی تمھاری بانکپن کو شہ دیے ہوئے — وہ شوخیاں حیا کو اپنی گود میں لیے ہوئے

ہنسی کے وقت چھینکنا گلے سے ہار تاگئے — کچھونے سے وہ جھاڑنا، گرے جو پھول ہار کے

وہ ہار مجھ کو یاد ہے، لایا تھا دیکھ کر جسے
ہیں جو گرے سے پھول اُمید منتی میں اسے

کہ سخت بو ہی، سر میں درد ہو گا، دیو ڈال دو
نہیں تو کامنی کے پھول چُن کے تم نکال دو

پلنگ اپنا کھینچکر وہ چاندنی میں لیٹنا
ہوا سحر کی سرد ہو تو جسم کو سمیٹنا

زری کریب و دیبا کہ چبھتی ہیں جالیاں
پسند صرف ململ اور گلبدن بنارسی

وہ چوڑیون کا پھیرنا، کہا تھا دیکھ کر جنھین
چبھیں گے اُنکے کور دو نہ پہنوں گی کبھی انھیں

کہو پسند کے لائیں کیسی چوڑیاں تمہی میاں
کہ تین تین بانکیں، چار چار ہوں کڑیاں

گرا زمرّد ایک شب جو ٹوٹ کر بلاق سے
تم اُسکو ڈھونڈنے لگیں چراغ لیکے طاق سے

تمھیں تو وہ نہیں ملا، مگر میں اسکو پا گیا
دیا تو کہکے تمھیں، گرا میں اُس گھڑی چھپا گیا

مری ہنسی پہ وہ تمھارا اینچ و تاب یاد ہے
وہ تیوریاں چڑھی ہوئی وہ اضطراب یاد ہے

غرض خدا سے ہے دعا کہ تم ہوا ور جہان ہو
تمھیں تو میری روح ہو تمھیں تو میری جان ہو

تمھارا زیور اور آئے میرے پاس ٹک اک پر
لگا یا تیر طنز کا یہ تم نے دل کو تاک کر

تمھاری بدظنی بجا، مگر غلط، مگر غلط
یہ آنکھیں بیوفا نہیں تو پڑتی کیون نظر غلط

نظر میں تم، جگر میں تم، تو کون دخل پا سکے
مکان سب گھرے ہوئے ہیں، کون اُن میں آ سکے

قسم تمھارے گیسوؤں کی، جنکے پیچ میں ہے دل
قسم تمھارے صاف رُخ کی، جسپہ ہے سیاہ تل

قسم تمھاری پتلیوں کی، جن کی ہر نظر بلا
قسم تمھارے ابروؤں کی، جنکے بس میں کربلا

قسم تمھارے اُن لبوں کی، جن کا رنگ لال ہے
قسم تمھارے گھونگھروؤں کی، جن کے پاس جال ہے

قسم تمھارے سر کی، جس میں بال ہیں بڑے بڑے
قسم نظر کی جسکے پاسے نزک اگر لڑے

قسم تمھارے دل کی، جس میں بار ہا پھرا ہوں میں
قسم تمھارے وسوسوں کی، جن میں اب گھرا ہوں میں

قسم تمھارے اس سخن کی، طنز جسکا کام ہے
قسم تمھاری اُس چھری کی، ناز جسکا نام ہے

قسم تمھاری اس ہنسی کی جس سے گل کھلا کرے
قسم تمھاری اس زبان کی کہ مجھ سے جو گلا کرے

قسم تمھارے اس غضب کی سرخ جس سے گال ہوں
قسم تمھاری اس حنا کی ہاتھ جس سے لال ہوں

قسم شکن کی جب جبیں پہ ناز اسکو ڈال دے
قسم صدا کی بات کو جب اٹھ کے ساتھ ٹال دے

قسم گلے کی جس سے زیب موتیوں کے ہار کو
قسم دہن کی جسکے دانت دیں شکست انار کو

قسم ہے انگلیوں کی دلکو چھین لیں جو جب ملیں
قسم ہے رخ کے سائے کی زمیں پہ جس سے گل کھلیں

قسم ہے بیرخی کی جسکا وصف رخ عیاں کرے
قسم ہے خامشی کی جب نگاہ کچھ بیاں کرے

قسم ہے تن کی قد آدم آئینہ جسے کہوں
قسم ہے قد کی جسکا سایہ بنکے کاش میں رہوں

قسم تمھاری چال کی ہے جسکے ساتھ حشر ہے
قسم ہے قد کی جنبشوں کی جسکے ساتھ قہر ہے

غرض تمھارے حسن کی قسم یقین مان لو
مرے جگر میں اور دل میں ہو تمہیں یہ جان لو

یہاں میں آکے پڑ گیا تجارتوں کے پھیر میں
جب انمیں گتھیاں پڑیں تو سلجھیں جاکے دیر میں

نہ چھوڑو اپنا آسرا، نہ توڑو دل کو یاس سے
نہ تم امید کو مٹا دو اپنے دل کے پاس سے

گلے نہ پھر گلے رہیں گے مجھکو پاکے ایک دن
ہنسی بنیں گے سب گلے لبوں پہ آکے ایک دن

میں خط میں چین بھیجدوں جو تمکو چین آسکے
نظر تو پا ہی جائے گی مگر جو دل بھی پاسکے

یہ خط ہی میرے ہاتھ کا، اسی کو چین جان لو
میں بیسویں دن آؤں گا، یقین اسکا مان لو

میں اس خبر سے خوش ہوا کہ زندہ ہے چکور بھی
تمھارے پاس ہے تمھارا وہ حسین مور بھی

پپیہے خوش رہیں کہ روز وہ مجھے بلاتے ہیں
جواب کہیں وہ پی کہاں تو تم کہو کہ آتے ہیں

یہ خط تو ختم ہو چکا، پیام اب ہے شوق کا
دعائیں اب ہیں شوق کی سلام اب ہے شوق کا

تیسرے رخ پر ایک نظر

اردو در کنار فارسی کی زبان جو شاعری کے لیے بہت موزون اور شیرین تسلیم کر لی گئی ہو اُسمیں بھی عورت اور مرد کے سچے جذبات کے ساتھ فطرت کے صحیح ادراکات اور انسانی دل و دماغ کے اصلی خیالات کی نظم کا وجود نہیں ہو۔ فطری نقاشی کا مذاق سخن گویان فارس میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ یہی سبب ہو کہ برسات، بہار، خزان اور جنگل وغیرہ پر جتنی نظمیں شعرائے ایران کی ہیں' ان میں سوا لفاظیوں اور ادعا سے بلند پروازیوں کے فطرت کی کارسازیوں اور قدرت کی خوبیوں کے نظارے کا ذکر کہیں خال خال ہو۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ شاعر نے فطرت کو پیش نظر رکھ کر نظم نہیں کہی بلکہ جہاں اور مختلف خیالات کے اشعار قلم سے نکلے وہاں دو ایک شعر ایسے بھی نکل گئے جنمیں فطرت کا رنگ اتفاقی آ پڑا۔

اُردو شاعری نے ابتدا ہی سے فارسی شاعری کی تقلید کا جامہ پہن لیا اسکا سبب یہ ہو کہ اُردو انھیں لوگوں کی پیدا کی ہوئی ہو جنکے دماغوں میں فارسی شاعری بھری ہوئی تھی سنسکرت اور بھاشا اس زمانہ میں ٹھنڈی ہو گئی تھیں' اور اہل فارس کی کثرت آمد و رفت اور شعرا فارس کے ہجوم سے ہندوستان ملک ایران کا ایک حصہ ہو رہا تھا۔ خود ہندوستان کے اصلی باشندے اپنی زبانوں کی شاعری چھوڑ کر فارسی کی جانب ٹوٹ پڑے۔ ایسی سوسائٹی کے اثر سے یہ بات لازمی تھی کہ اردو شاعری میں جو گرمی پیدا ہو وہ فارسی کے شعلوں سے پیدا ہو اور ایسا ہی ہوا۔

فارسی شاعری کے تخم سے اُردو شاعری پیدا ہوئی۔ الہ سائنس کے قانون وراثت نے اپنا دور دکھایا، اور اُردو نے فارسی کی صورتیں لیکر بڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ فرع اپنی اصل سے بالکل مشابہ ہوگئی۔ سائنس کے قانون تباین کا اثر صرف اسقدر ہوا کہ زبان میں ہندی کی آمیزش سے فارسی کے ساتھ اختلاف ہوگیا۔ بہرحال اُردو کی شاعری فارسی کی پیدا کی ہوئی اور پروردہ ہے۔ اس میں فطری مذاق کہاں سے آتا۔ یہ بھی اپنے دامنوں کو سمیٹے ہوئے اسی احاطے میں بیٹھ گئی جو احاطہ اُس کی مادر مہربان نے کھینچا تھا۔

ایک مدت تک غزل، واسوخت، مثنوی، اور قصائد وغیرہ اسی قسم کی نظموں سے اُردو کی سخن سنجی کا خزانہ معمور ہوتا رہا، اور نثر میں فسانۂ عجائب اور سرورش سخن کی سی کتابوں نے بلند نامی کے جھنڈے اُڑائے۔ آخر سوسائٹی کے مذاق میں کچھ تغیر ہوا اور زمانے میں حضرت آتش، حضرت غالب اور حضرت انیس کے سے سخن طراز پیدا ہوئے۔ آتش نے غزل میں جذبات، غالب نے جذبات نظم کے ساتھ نثر میں سلاست اور انیس نے فطری نقاشی کی خوبیاں پیدا کیں۔ ان بزرگوں کے نام شاعری کی تاریخوں میں آب زر سے لکھے گئے لیکن اُن کے دماغوں اور قلموں سے جو نظمیں نکلیں وہ صرف ایک ہی صنف کو لیے ہوئے تھیں۔ مثلاً آتش اور غالب صرف تغزل کے عمدہ نواسنج اور اسی صنف میں جدت آفرینی کے ساتھ لطیف معنے اور انیس نے مرثیہ اور سلام کو اختیار کیا، وہ صرف اسی صنف میں انتہائے کمال تک گئے۔ انکے کھینچے ہوئے فطری نقشے دلچسپ، دلکش اور دلفریب ہیں لیکن وہ انھیں حدود تک محدود ہیں جو حدود مرثیہ اور سلام کے لیے قائم اور مسدود تھیں۔ اسمیں شک نہیں کہ جو تصویریں اس مرحوم کے قلم سحر رقم نے دکھائی ہیں اُلا جواب

ہین۔ زبان انکے قابو مین اور فصاحت اُنکے قبضے مین تھی۔ مگر میرا مطلب یہ ہے، کہ فطرت کی عام جلوہ آرائیان اور قدرت کی وسیع کارسازیون کی جانب انکو توجہ نہیں ہوئی۔ توجہ نہونے کے کچھ ہی اسباب ہون مجھے ان سے بحث کی ضرورت نہیں صرف یہ بات لکھنی ہے کہ جو مذاق علمی اور عملی صورتون کے ساتھ آج نظمون اور نثرون مین نظر آرہا ہے یہ انگریزی علم ادب سے اُردو مین آیا، اور یہ مشرق کی سرزمین سخن میں مغرب کی تخم افشانیون کے ثمرے ہین۔

جدید مغربی مذاق کے پھیلتے ہی ہندوستان مین نیچرل شاعری کا وہ طوفان اُٹھا جسکی انتہا نہ رہی۔ دُنیاے شاعری مین نوخیز اور نوآموز لڑکے جن کی زبانیں اور جنکے قلم صحیح رفتار سے ناآشنا تھے، اپنے لڑکھڑاتے ہوے پانوان اور ٹھوکرین کھاتے ہوے قدمون سے چل کھڑے ہوے۔ اس طوفان بے تمیزی نے سخن سنجی کے صاف راستوں کو برباد کردیا۔ ابتک ہم دیکھ رہے ہین کہ ناواقفان سخن اپنی نافہمی کے ساتھ سخن سرائی کے مدعی ہین نہ وہ شتر گربہ کو جانیں، نہ تعقید، نہ شائگان کو، اور نہ کسی نقص کو، انکے خیال خام میں سخن سنجی کے واسطے پختہ مغزی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ نافہمی کے ہجوم سے دماغ میں اس خیال کو لاہی نہیں سکتے کہ دنیا کا کوئی علم اور کوئی فن اصول سے متجاوز ہوکے کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ ایسے لوگوں کی نظمیں سوا اسکے کہ ارباب فہم کے دماغون کو پراگندہ اور نگاہوں کو پریشان کریں کوئی دوسرا نفع نہیں پہنچا سکتیں۔ وہ قلمرو سخن میں ٹکسال باہر ہیں۔

یہ طوفان بے تمیزی برپا تھا۔ برپا ہے، اور غالباً ابھی برپا رہے گا لیکن اس افسوس کے ساتھ ہی، کچھ اسباب اطمینان کے بھی مہیا ہوگئے ہیں یعنی اقلیم سخن نے حضرت

سحرالبیان۔ شوق قدوائی کے سے قادرالکلام سخنور کو پیدا کر دیا جنکے پرزور دماغ نے سائنس اور فلسفے کے اہم مسائل کو فصیح اور سلیس اُردو میں با اصول نظم کرکے یہ بات ثابت کر دی کہ اگر زبان دانی کے ساتھ کلام پر قدرت کاملہ ہو، تو زبان اُردو سخن پرائی کی ہر صنف کو نہایت زور اور لطافت کے ساتھ اپنی گود میں جگہ دے سکتی ہے۔

علمی مسائل کے علاوہ حضرت شوق قدوائی نے جو سینریاں دکھائی ہیں اور سبزہ زار قدرت کے جیسے چمن صفحون پر کھلائے ہیں، نیز انسان کے فطری جذبات فطری خیالات اور فطری اداؤں کی جیسی سچی اور خوشنما تصویریں کھینچی ہیں انکی مثال اگر آج ہندوستان کی زندہ شاعری میں تلاش کی جائے تو سوا حضرت شوق قدوائی کی نظموں کے اور کہیں نہیں مل سکتی۔ ایسی حالت میں مجھے یہ کہتے ہوے ذرا بھی جھجک نہیں ہے کہ حضرت شوق قدوائی ملک سخن میں فی زمانناخود ہی اپنی مثال ہیں" اور یہ قول ہندوستان کے مشہو ایڈیٹر حکیم برہم کا جو اخبار مشرق کے مالک ہیں بہت صحیح ہے کہ حضرت اکبر الہ آبادی اور حضرت شوق قدوائی کی نظم و نثر کی داد روح القدس سے ملتی ہے۔

"عالم خیال" کے پہلے نمبر پر ہندوستان کے جلیل القدر فاضل مسٹر مشیر حسین قدوائی بیرسٹر کا نہایت عمدہ ریویو نکل چکا ہے جسکو دیکھ کر میری زبان سے بیساختہ یہ الفاظ نکلے کہ حضرت بیرسٹر کے سخن فہمانہ خیالات محققانہ اشارات اور حکیمانہ نکات نے اس نظم کے فلسفہ کی نہایت ہی فصیح، بلیغ اور لطیف شرح کر دی ہے۔ اگر حضرت بیرسٹر کے ادیب قلم سے ریویو کی روشنی نہ پھیلتی تو نظم کی بلندی تک بعض کوتاہ بین نظر پہنچ بھی سکتی تو اور سلسلۂ نظم کا قائم کرنا تو عموماً دشوار ہوتا۔

"عالم خیال" کے دوسرے رخ پر مسٹر محمد سلیمان بیرسٹرایٹ لا کا ریویو نکلا ہے۔ اہل علم اور قابل بیرسٹر نے جن لطافتوں اور نزاکتوں کی شرح کی ہے اُن کو دیکھ کر نظم اور ناظم دونوں کو لاجواب اور یکتا کہنے میں ذرا بھی تامل کی وجہ نہیں ہے۔

انگریزی تعلیم اور یورپ کے نظارے سے فطری مذاق پر جیسی وسعت نگاہ کی اِن دونوں فاضل محقق بیرسٹروں نے دکھائی ہے، معمولی مذاق کے آدمیوں سے یہ ممکن نہیں جیسا حق سخن حضرت مصنف نے ادا کیا، ویسا ہی حق شرح دونوں جلیل الشان فاضل بیرسٹر صاحبان نے علمی قلمرو کے دونوں رفیع القدر اہل قلم بالاتفاق اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ انسانی جذبات اور فطری خیالات کی ایسی مسلسل نظمیں انگریزی میں بھی نہیں ہیں اور اس دلفریب طرز کے موجد اُردو حضرت شوق قدوائی ہی ہوئے جن کے کمال سخن اور زور کلام نے علمی اور فطری نظموں سے ہندوستان کے سخن فہموں اور پاکیزہ خیالات رکھنے والے سخن سنجوں سے احسنت و آفرین کی آوازیں بلند کرا دیں۔

بقول نامور ادیب حضرت بسمل کے اس زمانہ میں یہ فخر ہمارے صوبہ متحدہ ہی کو حاصل ہے کہ اس میں لسان العصر حضرت اکبر اور سحر البیان حضرت شوق قدوائی دو یکتائے سخن موجود ہیں۔ میں کہتا ہوں خدا ان دونوں کو نظر بد سے محفوظ رکھے۔ انھیں دونوں سے اسوقت ہندوستان کی اُردو شاعری اصول علمی اور لطافت زبان کے ساتھ اوج کمال پر پہنچی ہوئی اپنے خوشنما منظر دکھا رہی ہے۔

"عالم خیال" کے دو رُخ اعلیٰ درجے کے قابل بیرسٹروں نے لے لیے۔ اب میں بحیثیت ایک وکیل کے نمبر سوم کا مدعی ہوں یعنی میں نے عالم خیال کے تیسرے رُخ پر

ریویو کے لیے قلم اُٹھایا ہے۔

یہ نظم دوسرے رُخ سے دست و بغل ہے یعنی شوہر کی جانب سے اُسکی فرقت نصیب زوجہ کے خط کا جواب ہے پہلا شعر ہے:

تمھارے خط کو دیکھ کر نظر اسی میں گھر گئی   تمھاری شکل خط کے ساتھ پتلیوں میں پھر گئی

خط کو دیکھ کے جوش محبت سے نظر کا اسمیں گھر جانا اور اسکے لکھنے والے کی شکل کا پتلیوں میں پھر جانا اس سے زیادہ فطری جذبے کا اظہار ہو سکتا ہے، نہ اس سے زیادہ فصیح الفاظ میں خط اور پتلیاں ان دونوں کی محبتانہ کشش نظم سے پیدا ہو سکتی ہے۔ شاعر نے لطف بیان کا خاتمہ کر دیا اور حرفوں سے محبت کی مجسم شکل دکھادی۔ اس خط کے الفاظ سے کیا حالت نظر آئی ہے اس حالت کا مصور یہ دوسرا شعر ہے:

ہر لفظ لفظ خط کا درد غم کی داستان ہے   قلم تمھارا دل بنا۔ بول اُٹھا زبان سے

عورت کے درد فرقت کا اثر شوہر کے دل پر الفاظ سے بڑھ گیا۔ یہ الفاظ کون ہیں؟ وہ ہیں جنکو قلم نے عورت کا دل بنکر اپنی زبان سے ادا کیا ہے۔ اس شعر کا دوسرا مصرع ترکیب کی خوبی اور زبان کی فصاحت کے ساتھ اس قدر بلاغت کو لیے ہوئے ہے اور اتنے وسیع مطالب کا گنجینہ ہے کہ اس کی پوری شرح کسی فرقت زدہ کا دل ہی کرے تو کرے، قلم نہیں کر سکتا۔

عورت کی دردانگیز حالت کو سمجھ بوجھ کے شوہر کس خوبی سے عورت کی دلجوئی کا پہلو لیے ہوئے اُسکے شکووں اور اسکی بیچینیوں کو تسلیم کر رہا ہے:

تمھارے سب گلے بجا۔ تڑپ بجا۔ الم بجا   تمھاری سب شکایتیں تمھاری ہی قسم بجا

اس قسم سے عورت کے دل پر تقین کا اثر جس لطف سے ڈالا گیا ہے اسکو ادا فہم ہی

سمجھ سکتے ہیں اور محاورے کی نفاست نے زبان کا جو مزہ پیدا کیا ہے اس کو زباندانوں کے دلوں سے پوچھیئے۔

اظہار اضطراب کے بعد شوہر نے عورت کے اس بیان کا، جو عورت کے لکھے ہوئے خط میں ہے کہ وہ سرپن کی طرح ٹہل ٹہل کے رات کاٹتی ہے، ذیل کے شعر سے جواب دیا ہے ؎

ادھر ٹہل کے شب کٹے ادھر تڑپ کے شب کٹے
یہ سوچ شام ہی سے ہو کہ دیکھیں رات کب کٹے

دوسرا مصرع کتنا پاکیزہ خیال لیے ہوئے ہے، اور کس لطف سے اس فطری حالت کو ظاہر کر رہا ہے جو اضطراب کے وقت پیش آتی ہے اور جسکی لازمی صورت یہ ہے کہ انسان شام ہی سے بیقرار ہو ہو کے صبح کے جلد نمودار ہونے کی تمنا کرے۔ یہ طے شدہ کلیہ ہے کہ فرقت زدہ پر رات بھاری ہوتی ہے۔ سبب یہ ہے کہ دن کو مختلف شکلوں کا نظارہ خیالات کو کچھ نہ کچھ ادھر اُدھر بہلائے رہتا ہے اور رات کو سب خیالات سمٹے ہوئے مصائب فرقت کے ہجوم میں گھر جاتے ہیں۔

اس شعر کے بعد چار اشعار اس بات کو ظاہر کر رہے ہیں کہ، تمہارا چین بھی تھا اور میری خوشی تم تھیں، فراق سے دونوں کی راحتیں اضطراب ہو گئیں، اب وہ ہنسی ہے، نہ وہ روح کی تازگی البتہ یہ نقشہ ہے ؎

شباب، رنگ، حسن، انکی صورتیں بگڑ گئیں
گھروں میں لوٹ پڑ گئی تو بستیاں اُجڑ گئیں

یہ شعر اظہار حالت کیساتھ زبان کی پاکیزگی، بیان کی فصاحت، اور مثال کی خوبی کو جس لطف سے دکھا رہا ہے، یہ نفاستیں شاعر کی سحر البیانی کی نہایت پُر اثر تصویریں ہیں۔

فطرت انسانی کا یہ قاعدہ ہے اکثر رنج کے مصائب کو جھیلتے جھیلتے اسکے خیالات

حسرت کے ساتھ اسباب آسایش کے جدا ہوتے ہین اسباب آسایش کی جستجو کے باعث
مسلسل اشعار جو سحر البیان سخن سنج نے اس موقع پر کہے ہین اور جن مین تخیل لطیف
کمال فن فصاحت کلام اور جدت معنی آفرینی کے ساتھ حسرت کا ایسا پر درد نقشہ کھینچا
ہو جس سے بہتر اور جس سے زیادہ پر اثر اُردو کی نظموں میں آجتک میری نگاہ سے نہین
گذرا۔ وہ اشعار یہ ہین ؎

جہان کوئی دوسرا جو غم سے پاک ہو کہین تو ہم تم اس جہان سے نکل چلین ہین جہان
یہان ہزار آفتیں انھیں میں دل گھرا کرین یہان ہزار گردشیں انھیں میں سر پھرا کرین
وہ ملک چل کے ڈھونڈھ لیں جہان نہ آسمان ہو جہان نہ اُسکے ظلم سے مصیبتوں میں جان ہو
جہان ہوا چل کے اسکو اس کا داغ دے سکے جہان زمین بھی نہ دلکو رنجہ مین سے سکے
جہان نہ کوئی فکر ہو نہ بھوک ہو نہ پیاس ہو جہان نہ میں اُداس ہون جہان نہ تم اُداس ہو

یہ قدرت کلام اور ایسے دل کو ہلا دینے والے پُر تاثیر مضامین جو سلاست بیان کیساتھ
حضرت انسان کے خیال کو مسخر کرکے اپنی جانب کھینچ لین فی زماننا حضرت شوق قدوائی
ہی کے قبضے کی چیزین ہین۔

عورت نے خط میں لکھا تھا کہ بیساختہ میرے آنسو ٹپک پڑے اور خط کے حرف
بگڑ گئے میں مجبور ہوں۔ شوہر کس لطیف شعر سے جواب دیتا ہے ؎

تمھارے آنسوؤں کے داغ خط میں جسجگہ پڑے وہ خط سے میرے دل میں آکے داغ بنکے رہ پڑے

میں کہتا ہوں کہ اس سے بہتر شعر اس موقع کے لیے ہو ہی نہیں سکتا۔ دیکھیے سیدھے سادے
الفاظ ہین۔ لیکن اپنی فصاحت اور ترکیبوں کی لطافت سے شعر سہل ممتنع کی تعریف
میں داخل ہو گیا۔ خوبی بالائے خوبی یہ کہ چند مختلف مطالب کو صرف ایک شعر مین

ادا کر دیا ہی۔ اگر زبان اور کلام پر قدرت کاملہ ہوتی تو یہ مطالب بجاے ایک شعر کے چند اشعار مین ادا ہو سکتے۔

عورت نے مصائب سے تنگ ہو کے اپنے خط مین لکھا تھا کہ اب مین زندگی سے درگزری موت کی تمنا کروں گی۔ فطرت انسانی کا عام اور خیالات نسوانی کا خاص شیوہ ہی کہ رنج و غم کی کثرت اور مصائب کے ہجوم سے مجبور ہو کے حیات کو مصائب کا ذریعہ قرار دے کے اُسکی تمنا ظاہر کی جاتی ہی۔

مرد نے کس لطیف اور فصیح پیرایہ میں دعاے درازی عمر کے ساتھ عورت کو جواب دیا ہی ؎

تمھاری عمر ہو دراز اجل کا نام چھوڑ دو   حسد کے منھ مین خاک منھ سے یہ کلام چھوڑ دو

"حسد کے منھ میں خاک" اس پُر لطف محاورے نے جو نفاست اس شعر میں پیدا کی ہے قابل لحاظ ہے۔

عورت نے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ تم میری لحد پر آ کے سبزے کو دیکھنا وہ نرم اور ہرا ہے سوکھ کر خار اور مجھ پر بار نہ ہو جاے۔ وفادار مرد نے اس منے کا جواب دے کے اُسکے خیال کو کدھر سے کدھر پھیرا ہی ؎

ہُوا لحد کے سبزے کی بھی نہ پھر دماغ میں   ہر سبزہ نرم اور ہرا لہلہاتے خانہ باغ میں

یہ خانہ باغ کی جانب انتقال ذہنی شاعر کی کمال معنی آفرینی کی صاف شہادت ہے معمولی شاعر کا دماغ ایسے مقامات تک پہنچ ہی نہین سکتا۔ اس لطیف تخیل کے علاوہ یہ شعر اول سے آخر تک دو عجیب محاورات کے سانچے مین ڈھلا ہوا ہی۔

چونکہ عورت شکستہ دل ہی اب مرد کو اس امر کا یقین دلانے کی ضرورت ہوئی کہ وہ اُس سے

بھولا نہیں ہے اور اسکی محبت کو دل و دماغ میں جگہ دیئے ہوئے ہے۔ ان مطالب کو وہ جن فصیح اور دل آویز الفاظ میں جن لطف خیز خیالات کے ساتھ ظاہر کرتا ہے یہ خوبیاں حضرت شوق قدوائی ہی کی سخن سنجی کے قبضۂ قدرت میں ہیں دوسرے کو حاصل نہیں سہ

نہ بھولنے کی تم ہو شے نہ تم ہو چھوٹنے کی شے   قسم خدا کی تم ہو دل میں اور دل بغل میں ہو
نظر میں کھپ کے نور بن کے تم مری نظر میں ہو   جمال بن کے دل میں ہو خیال بن کے سر میں ہو

پہلے شعر میں دوسرا مصرع بلاغت معنوی سے لاجواب ہے، اور دوسرے شعر میں جتنے ٹکڑے ہیں سب جواہر کے ٹکڑے ہیں۔

شوہر نے عورت کی محبت کو اپنے جذبات قلبی کے ساتھ ظاہر کرکے اسکی یاد کو تازہ رکھنے کی جو تصویریں کھینچی ہیں، یہ اردو کی شاعری میں حضرت قدوائی کی سحر البیانی کے سوا اور کسی کے قلم سے کھنچی ہوئی نظر نہیں آئیں۔ گویا فطرت کے مجسم نقشے نہایت خوشنما اور دلفریب لباس میں پیش نظر ہیں۔ وہ یاد دلانے والے نقشے حسب ذیل ہیں، اگرچہ یاد کے متعلق بہت سے اشعار ہیں، میں چند اشعار تحریر کرتا ہوں سہ

تمھاری مسکراہٹوں کو یاد کر رہا ہوں میں   کھلیں جو دانت اس ادا پہ صاد کر رہا ہوں میں

یہ ادا سے خاص اور پھر لطف قافیہ دونوں قابل صاد ہیں۔

وہ بال کھول کر کبھی جو تم کے سر کو تھامنا   لچک پڑے بدن تو پھر لپک کے در کو تھامنا

عورتوں کی عادت ہے کہ سر کے بالوں کو کھول کے لٹکنے بیچ کھولنے کو ہاتھوں سے جھٹک دیتی ہیں اس ادا کے ساتھ عورت کی فطری نزاکت کو کس لطف سے دکھایا ہے یعنی جھٹکے سے سر کو صدمہ پہنچا تو سر کو تھام لیا اور جھٹکے کی حرکت سے نازک بدن لچکا تو لپک کے در کو تھام لیا۔

اس فصاحت اس لطافت اور ایسی فطری حالتوں کو اس خوش اسلوبی اور اس قدر پاکیزگی سے

کے ساتھ ایک سیدھے سادے الفاظ کے شعر میں بیان کر دینا حضرت شوق قدوائی کی سحر البیانی اور انتہائے قدرت کلام کی واضح دلیل ہے، گویا زبان پر ایسا مستحکم قبضہ ہے کہ جس ادا پر خیال کیا اسکی پوری شبیہ نظم سے پیش کر دی ؎

گلوریوں کی صورتیں وہ خوشنما نئی نئی سپید پان اوپر اور اندر اُس کے بستی

یہ لکھنؤ کی گلوریاں ہیں بستی پان لکھنؤ میں وہ کہے جاتے ہیں جو نہ بہت ہرے ہوں نہ بہت سپید۔ خوش مزہ ہونیکے سبب سے عمائدین انھیں کا رواج ہے مگر گلوریوں کی خوبصورتی کیلئے ایک پان بہت سپید اوپر رہتا ہے۔ شاعر نے کس فصاحت سے ان گلوریوں کی اصل دکھائی ہے ؎

وہ ہاں مجھکو یاد ہے کہا تھا دیکھ کر جسے ہیں جو گرے کے پھول کم نہیں پہنچتی مہک جسے

کرخت بو ہے سر میں درد ہوگا دو نکال دو نہیں تو کامنی کے پھول ہیں نکال دو

کیا اس سے زیادہ زبان کی فصاحت و ترکیب سخن کی لطافت کے ساتھ نازک دماغ عورت کی فطری حالت کا اظہار سوا حضرت شوق قدوائی کے اور کوئی شاعر نظم سے کر سکتا ہے؟ بس وقت تو ہندوستان میں اور کوئی نظر نہیں آتا آئندہ کا حال خدا جانے۔ دلہے کے پھولوں کی خوشبو ہلکی ہوتی ہے۔ اور کامنی کے پھولوں کی بو کرخت۔ عورت کی فطری نزاکت کے ساتھ ان پھولوں کی فطری حالت بھی دکھا دی۔ دوسرے شعر کے کرارے لیسے زینے ہیں جو حسن کو عرش معلے پر لے گئے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔

زری کرب سے وہ چڑھ کے چبھتی ہے و نازنین پسند صرف ململ اور گلبدن بنارسی

بارسے دماغ کی نزاکت کا اظہار تھا، اور زری کرب سے جسم کی نزاکت کا، اس شعر کے مصرعہ دوم کا قافیہ کیا لطف دے رہا ہے ؎

اب چوڑیوں سے ہاتھوں کی نزاکت دکھائی جاتی ہے۔ حق یہ ہے کہ ذیل کے دونوں

اشعار موتیوں کی دو لڑیاں ہیں ۔ ؎

وہ چوڑیوں کا پھیرنا کہنا تھا دیکھکر جھجھن | چبھتی گے ان کے گوکھرو وہ بہنوں گی کھٹی ہیں
لہو مدل کے لائیں ایسی چوڑیاں بڑے میاں | کہ تین تین بانکیں چار چار ہوں کرلیاں

لکھنؤ میں گوکھرو کی چوڑیاں بہت خوشنما اور قیمتی بنتی ہیں لیکن انکے گوکھرو ٹوٹ کے ہاتھوں میں چبھتے ہیں ۔ اسی سبب سے نازک مزاج عورتیں نہیں پہنتیں ۔

پہلے شعر سے ان چوڑیوں کی حالت دکھائی گئی ہی اور دوسرے شعر کی سادگی کی ادا ظاہر کی گئی ہی یعنی صرف بانکیں اور کرلیاں جو اپنی سادگی سے نزاکت کے لیے موزوں ہیں ،، بڑے میاں ،، کے الفاظ جو لطف دے رہے ہیں زباندان ہی اسکو سمجھ سکتے ہیں ایک عورت کی زبان سے یہ الفاظ کسقدر زیبا ہیں اور مولی بوال جال کا بے تکلفانہ مذاق کس خوبی سے ظاہر کر رہے ہیں قلم سے اسکی تعریف کہانتک کی جائے نگاہیں دیکھیں اور دل لطف اٹھائیں ۔

بانکیں وہ چوڑیاں ہیں جنمیں لہر ہوتی ہی اور کرلیاں وہ ہیں جنمیں لہر نہیں ہوتی بیچ میں بانکیں اور ادھر اُدھر کرلیاں پہنی جاتی ہیں تین تین اور چار چار کی تکرار سے دونوں ہاتھوں کی چوڑیوں کا اظہار کیا گیا ہی چونکہ عورتیں ہمیشہ طاق کا شمار چوڑیوں میں رکھتی ہیں اس وجہ سے سات سات چوڑیاں دونوں ہاتھوں کے لیے چاہی گئی ہیں ۔ اللہ ری قوت بیانیہ ارباب اذہان ذی فہم اس لطف بیان کا اندازہ فرمائیں کہ نظم کیا ہی گویا نثر میں بات چیت ہو رہی ہی ۔

اب شوہر ایک اور دلچسپ واقعہ کو یاد کرتا ہی ؎

گرا زمیں پہ ایک شب جو اُٹھ کر پلنگ سے | تم اسکو ڈھونڈنے لگیں اُٹھا کے لیمپ طاق سے

یہ تخیل جو رُخ بدل کے ایک واقعہ کیجانب بھری ہو کمال شاعری پر دال ہو واقع کی تصویر کیسی عمدہ اور کس لطیف اصلیت کے ساتھ کھینچی گئی ہو۔ طاق کا قافیہ کتنا نفیس اور چراغ کی ضرورت سے کیسا الپٹا ہوا ہو۔ یہ سخن سنجیاں لاجواب اور یہ فطری ادائیں بیمثل ہیں، زبان ہو کہ چلتا جادو اب شوہر شائستگی کیساتھ عورت کی طنزیہ نوک جھونک کا جواب دے کے قسموں کے ساتھ اپنی محبت اور وفا کا اُسکو یقین دلاتا ہو۔

قسمیہ اشعار بہت ہیں اور نہایت لطیف لطیف ہیں۔ مگر میں بخوف طوالت چند اشعار لکھ کے ارباب فہم کے نصاحت پیرا خیالوں اور بلاغت سنج دماغوں کے سامنے پیش کرتا ہوں ؎

قسم تمھاری نگاہوں کی جن کی ہر نظر بلا
قسم تمھارے ابروؤں کی جن کے بس میں کربلا

قسم تمھارے دل کی جسمیں بار ہا بھرا ہوں میں
قسم تمھارے سوسوں کی جنمیں ابھرا ہوں میں

قسم تمھارے اُس سخن کی طنز جسکا کام ہو
قسم تمھاری اُس چھری کی ناز جسکا نام ہو

قسم تمھاری اس ہنسی کی جو ہے گل کھلا کرے
قسم تمھاری اس زبان کی مجھسے جو گلا کرے

قسم شکن کی جب جبیں پہ ناز اسکو ڈالدے
قسم صدا کی بات کو جب نہ کیساتھ ٹال دے

قسم ہو بیرخی کی جسکو پھر کے رُخ عیاں کرے
قسم ہو خامشی کی جب نگاہ کچھ بیاں کرے

ایسی نازک خیالیوں کی دلفریب نظمیں اردو میں ابتک تو نظر نہیں آئی تھیں ہاں! اب حضرت شوق قدوائی کی طباعیوں اور جدت آفرینیوں نے قوت بیانیہ کے اعجاز سے شاعری کے جسم مردہ میں نئی جان ڈالی ہو، اور یہ بات ثابت کردی ہو کہ اگر زبان اُردو میں کمال اور قوت تخیل حاصل ہو تو مشکل سے مشکل مضامین اور نازک سے نازک خیالات کو فصاحت کے ساتھ نظم کر دینے کے لیے الفاظ اُردو میں کافی وسعت موجود ہو۔

"ریویو" طویل ہو گیا۔ اگرچہ نقد کی وسیع خوبیوں کے ساتھ ابھی تصرہی ہو خیر اب

میں درمیانی اشعار کو چھوڑ کے اصل نظم سے متعلق آخر کا ایک لاجواب اور لاثانی شعر لکھ کے اس ریویو کو ختم کرتا ہوں۔

عورت نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ گھر میں انار کا پیڑ ہے اور اس پر ہر روز پپیہے آتے ہیں وہ مجھ پر ترس کھا کے اور مجھی شرم سے چپ پا کے تم کو (یعنی شوہر کو) پکارتے ہیں (یہ مطلب "پی کہاں" کی آواز سے ہے) شوہر نے جواب میں لکھا ؎

پپیہے خوش ہیں کہ وہ مجھ بلاتے ہیں جواب کہیں وہ "پی کہاں" تو تم کہو کہ آتے ہیں

شوہر کی آمد آمد سے عورت کو تسکین دینے والا شعر اور پپیہوں کے استفسار کا جواب کیا اس سے زیادہ لطیف، فصیح، دلچسپ، اور پر اثر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! مصرع ثانی کا آخری ٹکڑا اس قدر لطیف ہے جس نے شعر کو اوج کمال پر پہنچا دیا ہے۔

اب میں ریویو کو ختم کرتا ہوں اور خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ حضرت منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی کی عمر میں برکت دے، اور ہمیشہ نظر بد سے محفوظ رکھے، اُن کی بدولت سرزمین سخن پر ایسے گران بہا موتی بکھر رہے ہیں جن کو ارباب فہم و اصحاب مذاق لطیف کی نگاہیں شوق سے چن رہی ہیں۔

سید مقصود علی آسیونی

دل کو ملا کمال اپنے رنگ اس کو ملا امید سے   پائیگا یہ پھل اور پھول آج ہی "ان" کی دید سے

کل میرے سر میں تھا جنون آج ہی کچھ غرور سا   کل مرے دل میں تھا ملال آج ہی کچھ سرور سا

اپنے لبوں پہ بار بار پاتی ہوں میں تبسم آج   خوش رہا کرو مری لبو کہتے ہو "اور دیکھو" تم آج

گھر کی زمین جاگ اٹھی صحن پہ نور چھا گیا   آئیں گے "وہ" ضرور ہی مجھ کو یقین آگیا

ناچ رہا ہے خوب آج سن کے ہوا ہے مور خوش   اسکو بھی مل گئی خبر پھرتا ہے کیا چکور خوش

آ کے پپیہے پیڑ پر اب جو کہیں گے "پی کہاں"   ان سے کہونگی ہنس کے میں بیٹھے ہیں دیکھو پی یہاں

دل تو خفا نہیں مگر میری نظر جھکی رہے   بعد کو بات چیت ہو پہلے زبان رکی رہے

پا کے "انھیں" مرے زبان اسمیں کہاں یہ ضبط ہے   اسکو تو بول چال میں انکی زبان سے ربط ہے

بننے کو میں بنوں مگر بن بھی سکونگی یا نہیں   تننے کو میں تنوں مگر تن بھی سکونگی یا نہیں

بن کے شگفتگی خوشی رخ سے جو کھل پڑے تو پھر   لطف کے ساتھ کر کے میل ان سے نظر لڑے تو پھر

ہونٹھ تو میرے بس کے ہیں انکو سکھاؤں ڈھنگ میں   لیکن اڑاؤں کس طرح رخ سے خوشی کا رنگ میں

ترسی ہوئی ہیں پتلیاں چین سے کب وہ رہ سکیں   شوق سے بیقرار ہوں گرچہ یہ کچھ نہ کہہ سکیں

دل یہ کہیگا میل کر لب یہ کہیں گے بول دے   حسن کہیگا ہاتھ سے تو مرے رخ کو کھول دے

آپ ہی بڑھ چلیں گے پاؤں آؤنگی ہٹ کے سامنے   لائیں گی شوخیاں مجھے گھونگھٹ الٹ کے سامنے

شکل کشش کی بن پڑی دل کو جھوک کے تھام لوں   پھر کہیں ملیں تھا نہ جبر سے دل کا کام لوں

بن کے بلائیں انکے سر آج پڑوں ضرور ہی   دل میں ہنسا کروں مگر منھ سے لڑوں ضرور ہی

خط میں گلے میں لکھ چکی اور گلوں میں لطف ہے   ہوگی مزے کی نوک جھونک گرچہ گلوں میں لطف ہے

آنکھ مری جو اٹھ ہی جائے جلد نظر کو پھیر لوں   صرف نظر ہی کو نہیں ایک میں سر کو پھیر لوں

آئیں جو رخ کی سمت "وہ" ہاتھوں سے منھ چھپا لیں   جھانکا کریں گی انگلیوں سے نرگس جو دیکھا کریں

جنگ کو ہو رہی ہی دیرا در مزے کی بات ہو   دل کو لبھانے نازنے حسن کی یہ بھی گھات ہی
اب تو یہ فکر ہی کہ آج کچھ تو سنگار چاہیئے   ٹوٹ گیا ہی کل بلاق، سونے کا تار چاہیئے
شوق کے پاس بھیجدوں ایک ذرا سا تار کیا   دام نہ لیں وہ، تو نہ لیں تار کا ایسا بار کیا
ہاتھوں میں چوڑیاں ہیں کم ٹوٹ کے گر گئیں کئی   آئیں گے ایسے بڑے میاں اُنسے منگا ونگی نئی
مجھکو بھی سادگی پسند اُن کو بھی سادگی پسند   پہنوں سپید ہی لباس ہوگا اُنھیں بھی پسند
بیلیں ہوں یا ہوں بوٹیاں جچتی ہیں کامدانیاں   چند دوپٹے پھاڑ لوں رکھی ہیں جامدانیاں
بیل کٹاؤ کی ابھی چوک سے میں منگا نہ لوں   لائی ہی اچھی ایک بیل اسکو بھی لوں میں ٹانک لوں
بیل چکن کی ہی، مگر کچھ بھی نہیں ڈہلی خراب   ایک تو شربتی بری دوسرے ٹیچی خراب
کسسے منگاؤں بیل میں سب سے خفا ہیں یوں آج   لڑکے گئے دُلہن سے وہ بگڑے ہوئے ہیں تیور آج
کیونکہ کہوں بواسے میں خود وہ بناتی ہیں کتا   چوک سے لیتی آئے وہ جائے جو لینے نان بائی
ارہیں گوندہ لوں اگر پھول ہوں خانہ باغ میں   اب کے برس تو ہو گرا گھر میں کھلا نہ باغ میں
ہو یہی رہیگا یہ تو سب مجھکو خیال ایک ہی   ساس جپ اور زبان پیٹ ننداضرور ٹیک ہی
اسکی سی بس کی گانٹھ اور کوئی نہ ہوگی شہر میں   رکھی ہی منھ میں اک چھری اُسنے بجھا کے زہر میں
جب وہ جلی سی لال ہو، گال ہوں گرم دو توے   خود تو ہی لہسن اور دانت جیسے چھلے ہوئی چنے
دیکھ کے یہ چمک دمک وہ مرے روپ سے جلے   ریت میں کوئی جسطرح جیٹھ کی دھوپ سے جلے
آج مجھے بھی ہی گھمنڈ طنز کا کچھ بھی غم نہیں   اسکو جو ہی کسی پہ ناز میں بھی کچھ اُس سے کم نہیں
لیتی ہی دل میں چٹکیاں کرتی ہی دل کا خون وہ   لاتی ہی گھر سے اپنے ساتھ میرے لیئے جنون وہ

اسے بوا حضور آگئے بندی عفو تقی ہی رہی
بن نہ پڑا سنگار کچھ حوصلہ کرتی ہی رہی

چوتھے رُخ پر ایک نظر

"عالم خیال" کے نام سے مسلسل چار نظمیں منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی کی تصنیف کی مختلف رسالوں میں اشاعت پذیر ہو چکی ہیں جنکو ایک ہی زنجیر کی چار کڑیاں کہنا زیبا ہے۔

حصہ اول پر مسٹر مشیر حسین قدوائی بیرسٹر ایٹ لا نے حصہ دوم پر مسٹر محمد سلیمان بیرسٹر ایٹ لا نے اور حصہ سوم پر شیخ مقصود علی صاحب آسیوانی وکیل نے ریویو تحریر فرمایا ہے ہر ریویو اپنے حصہ نظم کی شاعرانہ خوبیوں اور اُسکے لطیف جذبات کا معقول شارح ہے، اور اشعار کے ربط باہمی کو آشکارا کرکے ہر طرز بیان کی ضرورت کو عالم خیال سے عالم ظہور میں لا رہا ہے۔

دو قابل بیرسٹروں کے نظارے معمولی نہیں ہیں۔ انکی وسیع نگاہیں انگریزی کے مذاق فطری اور جذبات انسانی کو اپنے دماغوں اور دلوں میں مجتمع کیے ہوئے ہیں اور اُن کے فلسفیانہ خیالات کی جولانیاں فلسفۂ اخلاق و معاشرت کے مراحل کو طے کر چکی ہیں، جن کا میدان بہ نسبت اُردو فارسی کے انگریزی علم ادب کی قلمرو میں وسیع تر ہے۔ لہذا ان نظموں کی ان خوبیوں پر جو فیصلے ان دونوں کے ہیں ناطق ہیں۔

ہر دو قابل بیرسٹر تحریر فرماتے ہیں کہ ایسے جذبات کی مسلسل نظمیں انگریزی میں بھی نہیں ہیں اور ہر سہ ریویو نگار تسلیم فرماتے ہیں کہ اردو میں اس قسم کی دلفریب نظموں کے موجد حضرت شوق قدوائی ہی ہوئے ہیں جنھوں نے فصیح زبان لطف بیان فطری جذبات اخلاقی خیالات اور ایشیائی طرز معاشرت کی دلکش اداؤں کے ساتھ عفت مآب عورتوں کے جذبات

دلی کو سطرح دکھایا ہے کہ گویا زندہ صورتیں پیش نگاہ ہیں۔ آج یہ کمال سخن سرائی حضرت
شوق قدوائی ہی کی ذات پر منحصر ہے اور بس۔ اب مجھے ان ہر دو امور پر بجز اسکے اور کچھ رقم
کرنیکی ضرورت نہیں ہے کہ میں قابل ریویو نگاروں سے لفظاً بلفظ متفق ہوں۔

جذبات انسانی اور فطری ہیجان طبعی پر فلسفیانہ اور سخن سنجانہ بحث فاضل بیرسٹر دینے
ایسی قابلیت اور ماہیت کے ساتھ کی ہے نیز مذاق سخن اور اسکے نکات کو انھوں نے اور پھر
حضرت وکیل نے اسقدر خوبی اور پر تجربہ دلائل کے ساتھ دکھلایا ہے کہ اس صنف پر بھی
گنجایش تحریر زیادہ نہیں باقی رہی۔ البتہ صرف ایک امر زمانۂ حال کی سخن سرائی پر غور طلب
ہے وہ یہ کہ قدیم طرز سخن کی اور جدید طرز سخن دونوں کی صورتیں اسوقت بگڑی ہوئی کیوں ہیں؟
میری راے میں مطابع کی زیادتی اور رسالوں کی کثرت سے ذرایع اشاعت میں آسانی ہوئی
ناواقفان فن سخن سرا ہو گئے رسالوں کے ایڈیٹر دو ہیں یا تو سخن سنج اور سخن فہم کم ہیں یا
سمجھے بوجھے کو اگر ہے تو بھی [illegible] ہے کرین کیا لیکن [illegible] اور اصول علم و فن سے متجاوز
نظمیں بھیج شایع کرتے [illegible] خرابی کے اسباب مہیا کیے جاتے ہیں۔

اگر کبھی [illegible] ہوا [illegible] پایے گی تو زبان اُردو اور فن شعر کے
[illegible] کا [illegible] انھیں حضرات سے ہوگا جو اغلاط اور [illegible] ان کے کلام
پر [illegible] کی [illegible] رہتے ہیں۔

خیر [illegible] ہوں [illegible] زائل نہیں ہو سکتا [illegible] ذوق سخن
پر جناب شوق قدوائی کے [illegible] فن و سخن موجود ہیں (خدا عمر میں بہت برکت دے)
جن کی سحر بیانی نے "حسن" اور "عالم خیال" نیز اور بہت سی فطری مذاق کی بہترین اور
لاجواب نظموں سے سخن پرست دماغوں اور نگاہوں کو منور کر دیا ہے۔

اب مین ان مباحث سے رُخ کو اصلی نظم یعنی "عالم خیال کے چوتھے رُخ" کی جانب پھیرتا ہوں جس کی لطافت اور خوبی بیان کی نزاکتوں نے میرے دماغ اور دل کو گرویدہ کر لیا ہی

شوہر نے خط میں لکھا تھا کہ میں آج کے بیسویں دن آؤں گا آج بیسواں دن ہی عورت انتظار میں اپنے خیالات کے ساتھ باتیں کر رہی ہی ؎

خط کو ہی بیسواں دن آج آئینگے "وہ ضرور" ہی کیا میں کھنچی ہوئی رہوں انکی نظر سے دور ہی

لفظ "ضرور" پتہ ہی" کا زور دے کے عورت نے اپنے یقین کو شوہر کے آج آنے پر مستحکم کر لیا اب شعر ثانی کی بنیاد "عالم خیال" کے دوسرے رُخ پر ہی - وہ عورت کا حسرتناک خط ہے جسمیں وہ بہت سے شکوے اور طرز آمیز گلے شوہر کو تحریر کر چکی ہی اسوقت سوچتی ہی کہ کیا میں ان شکووں کی بنا پر شوہر سے کچھ اظہار ~~رنج~~ کروں اور دور رہوں اس خیال کے ساتھ ہی جوش محبت نے جو باعصمت عورات کا خاصہ ہی اسکے دل کو تمنا کی جانب پھیر دیا اور وہ اپنے خیال سے یوں اظہار مجبوری کرنے لگی ؎

اُن کی صدا سُنتے تو پھر ہو نہ سکے جگر یہ صبر پاکے اُٹھینگے کھنچی ہو ترسی ہوئی انتظار سے صبر

باعفت عورت جو مصائب ہجر ان میں سالہا سال سے مبتلا رہی ہی - یہ شعر اُسکے جوش تمنا کی سچی حالت کا نقشہ کھینچ رہا ہے "ترسی ہوئی" کے الفاظ نے اور بھی تمنا کو قوت دی ہی -

عورت نے پھر اپنے دل سے ایک ایسا سوال کیا ہی اور خود ہی ایسا جواب دیا ہی کہ دونوں کا لطف میرے دل کو جنبش میں لا رہا ہی یعنی دل دھڑکر رہا ہی پہلا شعر سوال ہی اور دوسرا شعر جواب ہی ؎

کیا میں جگر کو تھام لوں کیا میں نظر کو پھیر لوں
کیا وہ اُدھر سے آئیں تو رُخ میں ادھر کو پھیر لوں

انکی کشش میں آکے رُخ پھر نہ سکے تو کیا کروں
دل سے کروں تو زور میں دل جو کھنچے تو کیا کرون

واہ! جناب شوق واہ! سبحان اللہ! شعر کیا فرمائے ہیں منہ سے موتی اُگلے ہیں۔ میری عمر کا زمانہ بھی اشعار کو دیکھتے ہی گذرا ہے۔ لیکن ایسے فصیح اور دلکش اور پاردا اشعار جنمیں فطری اداؤں کے ساتھ جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دیے گئے ہوں سوا ان نظموں کے نہ آج تک دیکھے نہ سُنے۔

شعر اول اپنے مصرعہ اولی سے کن فصیح اور سلیس الفاظ میں ارادۂ ضبط اور اسکی صورت کا اظہار کر رہا ہے اور مصرع ثانی اُدھر اور ادھر کے الفاظ سے آنے اور رُخ پھیرنے کی کیا دلآویز ادائیں دکھا رہا ہے۔

دوسرے شعر کی رفعت نے عرش معلیٰ سے ٹکر کی ٹھہرائی۔ مصرعہ اولین جس کی کشش سے رُخ کے نہ پھر سکنے کا اظہار کر رہا ہے اُس کا لطف اصحاب معنی فہم کے قلوب اثر پذیر سے پوچھا جائے۔ مصرع ثانی نے اور بھی قیامت کر دی۔ فرقت زدہ کا دل جو ناتوان ہو رہا ہے اسکا زور کر کے تھک جانا۔ یا ایسا حسن بیان ہے کہ اس سے بہتر اس موقع کے لیے اور ہو ہی نہیں سکتا۔ اس تھکنے کا نتیجہ نکلتا ہے کہ رُخ کھنچ کے سامنے ہو ہی جائے گا۔

اب مقتضائے فطرت عورت کو وہم نے گھیرا کہ مبادا آج شوہر نہ آئے تو کیا کہتی ہے۔

اور اگر نہ آئے ”وہ“ ہائے یہ شاک ستم کا ہے
آمرے دلمیں او امید۔ وقت ترے کرم کا ہے

شک سے پڑی میں سیج میں ڈس نہ لے ہوں بس آنکھ جب
اس سے خبر بھی ہوئی ہونہیں وہ مرے پاس آنہ جائے

آتے ہی یاس کا خیال کانپ اٹھی تو ڈر کے میں
ورنہیں دل میں رنج آج بجھتی بند کر کے میں

یاس سے ہوں جلی ہوئی اسکو میں جھونکوں بھاڑ میں
ہٹ مرے دل سے او شک آج یاس کے تیری آنکھ میں

شعر اول کے مصرع اولیٰ میں "ہائے" نے حسرت انگیز خیال پر جان ڈال دی ہے۔ مصرع ثانی
میں امید پکار رہی ہے یہی ایک چیز ہے جس سے ایسی حالت میں قلب حزیں تسکین پا سکتا
ہے امید کو کرم کا وقت بتایا گیا ہے۔ وقت کا لفظ جو یہاں "ضرورت" کے معنی دے رہا ہے اسنے
عجب لطف پیدا کیا ہے شعر دوم میں "نیر" سے خوف کا اظہار ہے جسکے خیال نے شعر سوم
میں وہ لطافت پیدا کی ہے جو باعتبار حالت اور باعتبار سخن سنجی جسقدر مصرع اولیٰ سے صورت
حال ہے اُسی قدر مصرع ثانی سے بلند پایہ ہے۔ یہ بیان کہ دل میں دروازہ نہیں ہے ورنہ آج
بند کر کے بیٹھتی تاکہ اس میں نہ آ سکے، کتنا رفیع مضمون اور کیسا دلفریب ہے شعر چہارم میں جو
لطف "چلی جاتی" اور "جھونکوں بھاڑ میں" ان دونوں محاوروں سے پیدا ہوا ہے جن سے
عورت کی بےتکلفانہ بول چال پیش نگاہ ہے اس لطف کی داد دل سے دی جائے۔ اسی
شعر کے مصرع ثانی میں شاعر یہ کہکر ہٹایا جاتا ہے کہ پاس تیری آنچ ہے مضمون اور قافیہ
دونوں کمال مضمون آفرینی کے قابل لائق ہیں معمولی شاعر کا خیال نہ اتنی بلندی تک پہنچ سکتا
نہ اسکی زبان بندش مضمون کے واسطے ایسے فصیح اور سلیس الفاظ پا سکتی ہے۔ یہ قدرت کلام
قوت بیان اور لطف زبان جناب شوق قدوائی ہی کے مفتوحہ اور مقبوضہ ممالک ہیں۔
انہیں اقلیموں کا سکہ چل رہا ہے اور بس۔

اسکے بعد عورت اپنے دل سے سوال کرتی ہے اس کا دل بول اُٹھا کہ آتے ہیں اور بہت سا
چین میرے واسطے تحفہ میں لاتے ہیں یہ معنی آفرینی کے لحاظ سے کیسا نیا اور واقعے کے اعتبار
سے اسقدر قریب ہے عورت کا دل بول کے آنیکی خبر دیگا، تو اسنے یقین کا استحکام کیسے
کیسے مسرت خیز خیالات سے کرتی ہے اور کیا کیا فرحت انگیز شگون لیتی ہے۔

دل نے کہا ہے سرخ رو ورنہ کہاں سے پا گیا
دیکھ رہی ہوں آرسی چہرے پہ رنگ آ گیا

دل کو ملا کہاں سے رنگ اسکو ملا امید سے | پائیگا یہ کچھ اور بھی آج ہی اُن کی دید سے
کل مرے سر میں تھا جنون آج ہی کچھ غرور سا | کل مرے دل میں تھا ملال آج ہی کچھ سرور سا
اپنے لبوں پہ بار بار پاتی ہوں میں تبسم آج | خوش ہوا ہی مری لبو کہتے ہو اور کچھ تم آج
گھر کی زمین جاگ اُٹھی صحن پہ نور چھا گیا | آئیں گے "وہ" ضرور ہی مجھ کو یقین آگیا

آرسی میں چہرے کے رنگ کو دیکھ کے کہتی ہی کہ یہ امید سے ملا ہی رنگ امید کو شعرا نے الفاظ میں تو دیکھا ہوگا، مگر جناب شوق قدوائی نے اسے چہرے پر نمایاں کر دیا گویا یہ رنگ حضرت ہی کے سخن لاجواب کے واسطے وضع کیا گیا تھا۔

شعر سوم میں لفظ غرور جو لطف اور بلند معنی دے رہا ہی اسکی داد دینا میرے قلم سے زیادہ ہی اور اسی کے برابر کا قافیہ سرور ہی جسکا مزہ دل سخن فہم سے پوچھا جائے۔ عورت کی فطرت کا خاصہ کہ شوہر پر اسکو گھمنڈ ہوتا ہی اس فصیح اور لطیف شعر نے ظاہر کر دیا۔

شعر چہارم میں لبوں پر بار بار تبسم کا آنا بیان کیا گیا ہی۔ یہ بھی مسرت دلی کی فطری روش ہی۔ اسی شعر کے مصرع ثانی میں لبوں کی جانب مخاطب ہوکے یہ کہنا کہ "کہتے ہو اور کچھ تم آج" کس قیامت کا ٹکڑا ہی۔ اسکو جواہر کا ٹکڑا نہیں بلکہ دل کا ٹکڑا کہنا چاہیئے اور اُس کا مزا بھی وہی دل پا سکتا ہی جسکو چاشنی مہر و وفا کے ساتھ چاشنی سخن بھی نصیب ہوئی ہو۔ صرف انھیں چھ الفاظ کی شرح لکھنے کا قصد کیا جائے تو دماغ کشمکش پیچ میں پڑ جائے کہ کہاں تک اظہار مطالب کروں۔

عورت نے شوہر کے آنے کا یقین دل کی شہادت اور شگونوں سے بہر نوع کر لیا۔ اب وہ ان نازوں کی جانب اپنے خیالات کو منتقل کرتی ہی جن کو وہ کام میں لانا چاہتی ہی۔ فی الحقیقت قدرت نے عورت کے دل ودماغ کی ترکیب ہی میں نازوں کو داخل کر دیا ہی

اور یہی ادائیں ہیں جو حرکات کرشمہ پرداز سے حسن کی قوت جاذبہ کے مردوں کے دلوں پر تقناطیسی کشش کا اثر ڈالتی ہیں کیسی ہی حسین عورت کیوں نہو اگر اسکی ادائیں دلفریب نہیں ہیں تو قوت جاذبہ نگاہوں سے گذر کر دلوں پر کم اثر انداز ہو سکتی ہے۔ حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

حُسن کا مسئلہ فلسفیانہ ایسا وسیع ہے جسکی تحریر کا یہ موقع نہیں جسکو شوق ہو وہ جناب شوق قدوائی کی مثنوی "حسن" کو دیکھے جسمیں حسن کا وسیع فلسفہ ایسی رنگینی سے بیان کیا گیا ہے کہ گویا گلہائے رنگا رنگ چمن زار اوراق پر کھلے ہوئے ہیں اور اس مثنوی کے فلسفہ کی تشریح حضرت برق بی اے (آں جہانی) نے دیباچہ میں نہایت معقول کی ہے جس سے بلیغ مسائل کا فصیح بیانات سے انکشاف ہو گیا ورنہ بہت لوگ مثنوی کو دیکھ کے فہم نکات سے محروم رہتے۔

بہرحال عورت نے تصدیق کر لیا کہ وہ دلفریب اداؤں کا جال شوہر پر ڈالے گی اب وہ کہتی ہے ؎

دل تو خفا نہیں مگر میری نظر جھکی رہے — بعد کو بات چیت ہو پہلے زبان رکی رہے

اسکی محبت و وفا اور سرشت نیک نے اُس سے یہ کہلا دیا کہ وہ دل سے خفا نہیں ہے۔ اگر وہ اس امر کو ظاہر نہ کر دیتی تو خود اسکا برتاؤ قابل حیرت قرار پاتا۔ اس لیے کہ شوہر اپنے خطوں میں جو سلسلہ عالم خیال کا تیسرا رُخ ہے عورت پر یہ ظاہر کر چکا ہے کہ وہ مجبوری ایک مدت دراز تک پردیس میں رہا نہ کہ بانداز بیوفائی۔ اور اسی خط میں وہ چند در چند شکلوں سے عورت کی محبت اور اُسکی دلخوش کن یاد کا اظہار کر کے اسکو تشفیاں دے چکا اور یہ بھی تحریر کر چکا ہے کہ آج سے ... روز میں وہاں پہنچے گا۔

اداہاے دلفریب کا اظہار بہت سے اشعار میں کیا گیا ہے۔ لہذا اب میں جا بجا سے اسکے چند اشعار تحریر کروں گا تاکہ ریویو بہت طویل نہ ہو جاے۔

اب عورت اداہاے ناز آفریں پر خیالات کو یوں دوڑا رہی ہے ؎

تننے کو میں تنوں مگر بن بھی سکوں گی یا نہیں　　تننے کو میں تنوں مگر تن بھی سکونگی یا نہیں

عورت اپنے جوش محبت اور ولولہ تمنا کا اندازہ کرکے خود کہتی ہے کہ اظہار کشش کا تصنع اس سے بن بھی پڑیگا یا نہیں۔ یہ پیش بیش اُس فطری خیال پر مبنی ہے جو اوہام کی کشمکش سے پیدا ہوتا ہے

اب وہ مسرت قلب سے کشش مصنوعی کے مغلوب ہو جانیکا وسوسہ یوں ظاہر کرتی ہے ؎

بنکے شگفتگی خوشی رُخ سے جو کھل پڑے تو پھر　　لب کے ساتھ آکے میل آپ نہ ڈال دے تو پھر

ہونٹھ تو میرے بس کے ہیں انکو سکھاؤں جنگ میں　　لیکن اُٹھاؤں کس طرح رُخ سے خوشی کا رنگ میں

دل یہ کہے کا میل کر لب کہیں بڑا اُسے　　حسن کہیگا ہاتھ سے تو مرے رُخ کو کھول دے

شعر اولیں میں شگفتگی کا چہرہ سے کھل پڑنا کیا لطف پیدا کر رہا ہے۔ یہ بالیقین فطری مسرت ہے

شعر ثانی میں ہونٹھوں کو تعلیم جنگ مگر رُخ سے رنگ خوشی کے نہ اُٹھ سکنے پر جو بیان

یہ ایسی شاعرانہ لطافتیں اور نازک خیالانہ مضمون آفرینیاں ہیں جو جناب شمیم کی قدیمانہ ہی کے دماغ سحر آفریں اور زبان سحر البیان کے واسطے اس زمانہ میں مخصوص ہیں

اب یہ شعر ملاحظہ ہو جو فصاحت نزاکت اور ادائے فطرت کا ایک گنجینہ ہے ؎

بن کے بلا میں آن کے سر آج پڑوں ضرور ہی　　دل میں ہنسا کروں مگر منھ سے لڑوں ضرور ہی

بن کے بلا یہ ٹکڑا اعلیٰ ادا شناس کو جو مزہ دے سکتا ہے اسکی حد نہیں بیان کیجا سکتی زبان کیا ہے معدن جواہر ہے۔ مصرعہ ثانی ہو بہو تصویر فطرت ہے۔ اسکے بعد وہ کہتی ہے ؎

کچھ جو وہ دیں تو یوں نہ لوں یوں ہی تو میں نہ دینے کے بعد　　انکو کاڑھوں کے بعد لاکھ جتن جتیں کے بعد

مین کہہ چکا ہون کہ زبان معدن جواہر ہی۔ یہ "چناں چنیں" کا قافیہ اسی معدن جواہر کا
ایک لعل بے بہا ہی۔ اس موقع پر بہت سے پرلطف اور اداہاے دلفریب کے اشعار ہین
لیکن خیال طوالت مانع تحریر ہی۔

اب عورت اس خیال پر مائل ہوئی کہ یہ تو جو کچھ ہو گا ہو گا۔ آج مجھے سنگار تو
ضرور کرنا چاہیئے۔ کیسا طبعی خیال ہی کہ جو عورات کی سرشت مین گویا ودیعت ہی
سنگار کے واسطے طرز شوہر پسند اور اشیاے مناسب کے فراہم کرنیکا انتظام وہ اپنی تصورات سے
کرنے لگی اسی درمیان مین اسکو ایک خیال نے گھیر لیا۔ جسکا اظہار وہ یون کرتی ہی ؎

ہو ہی رہیگا یہ تو سب، مجھکو خیال ایک ہی   ساس چُپ اد زبان چُپ نند مفرنیک ہی

اسکے ناقص برتاؤ پر بیساختہ اسکی زبان کچھ کہنے کو تھی، مگر بہ پاس ادب اُس نے
"چُپ اد زبان چُپ" کہکر روک دیا۔ فطری بیساختگی کو لحاظ ادب سے کیا لطیف شکل
اور کن عمدہ الفاظ سے روکا ہی کہ سبحان اللہ۔ نند سے وہ بہت جلی ہوئی ہی۔ اُس سے
اظہار کدورت "مفرنیک ہی" ان طرزیہ الفاظ سے کیا گیا ہی۔ یہان نند کی نسبت بدخیالات
اُس نے ظاہر کیے ہین، اسکے دو لاجواب شعر ہین ذیل مین درج کرتا ہون ؎

اسکی بسی بس کی گانٹھ اور کوئی ہوگی شہر مین   رکھی ہی تھ مین اک اُٹھی سی اُسنے بجھا کے زہر مین
جب وہ جلن سے لال ہو گال ہون گرم دو توے   خود تو ہی بھُس اور دانت جیسے چھلے ہوئے چوے

شعر اول لین کا محاورۂ زبان اور اسکے مصرع ثانی کی نفاست بیان و لطافت معنی بالخصوص
شعر دوم مین دونون گالون کی نسبت یہ ذہن انگیز مثال کہ جلن کے گرم ہون تو دو توے
ہو جائین قابل داد ہی۔ اور اسی شعر کا مصرع ثانی اپنی دونون تشبیہات سے لاثانی اور
لاجواب ہی یعنی وہ نند خود بھُس ہی اور اُسکے دانت چھلے ہوے چوے ہین۔ کیا خوب ہی

کہ اس سے بہتر سمجھ اور نہیں ہو سکتی تشبیہات بھی کتنی جدید ہیں چھلے ہوئے کے الفاظ نے جوؤں کی ہیئت کذائی کو دکھا دی ناخون کیواسطے یہ تشبیہ جدید کس قدر موزون ہے۔ ذیل مین عورت نند کے حسد کا اصل ظاہر کرتی ہے ؎

دیکھ کے یہ چپکے کٹ مرے روپیٹ سے جلے   ریت مین کوئی جس طرح جیٹھ کی دھوپ سے جلے

کیا لطافت اور کیا فصاحت ہے کہ ان دونون خوبیوں کیلیے یہ نظم سرمایۂ نازش ہے چپکے دیکھ کو دیکھ کے جلنا۔ ای سبحان اللہ مصرع ثانی تخئیل جدید اور لطافت بیان کی رفعت پہ پہونچ کے عرش معلی سے باتین کرنے لگا۔ ریت میں جسکی حدت مشہور ہے۔ اسمین جیٹھ (ماہ ہندی) کی دھوپ سے جلنا۔ اللہ رے کلام فصاحت نظام۔ یہ قدرت کلام اور قوت زبان ہے جو بیان کو اوج سما پر لیے جا رہی ہے معمولی شاعر کا خیال بھی ریت اور جیٹھ کے الفاظ لاجواب تک رسا نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد سب سے آخری شعر ہے جو قلب اثر پذیر کے لیے ایک عجیب اور لطیف حیرت انگیز حالت پیش کرتا ہے۔ عورت اپنے منصوبوں ہی میں تھی کہ شوہر آ گیا تو وہ کس حسرت مگر کس نفیس پیرایہ مین کہتی ہے ؎

ای لو حضور آ گئے بندی سنوارتی ہی رہی   بن نہ پڑا سنگار کچھ۔ حوصلہ کرتی ہی رہی

بندی کا لفظ کیا محاورے کا لطف دے رہا ہے۔ یہ شعر استعجاب تحیر اور حسرت کی ایسی دلکش تصویر ہے کہ دل بیاختہ اسکی تاثیر کو قبول کرتا ہے۔

مین نے جسقدر داد دی ہے یہ ایسی بلند پایہ اور لطیف نظم کو دیکھتے بہت کم ہے جسقدر اسکی لطافتین اور کششین جو فطری جذبات سے بھری ہوئی ہین انکو مسخر کرتی ہین اسقدر داد دل ہی دے سکتا ہے۔ زبان خامہ مجبور ہے جنت مکان حکیم برہم نے

بہت صحیح بات تحریر فرمائی کہ جناب شوق قدوائی کے سخن کی داد روح القدس سے ملتی ہے یعنی انسان کے قلم اور زبان سے اس کی تا دسیدن سخن اور سخن گستر سحر البیان کے صناع سخن کی داد پوری نہیں ہو سکتی۔

میں ریویو کو ختم کر چکا۔ آخر میں خدا سے یہ دعا ضرور مانگوں گا کہ وہ جناب شوق قدوائی کو عمر دراز کرے اور جسقدر لطف ہم مشتاقان سخن کو ان کی لاجواب نظموں سے حاصل ہو رہا ہے اُسی قدر لطف حیات اُن کو حاصل رہے۔ آج ملک ہند میں ایک یہی تو ہیں جنکی سخن سنجیوں سے گلہائے رنگارنگ سے سرزمین سخن گلزار بنا اور آباد بنی ہوئی ہے اور جن کی آب و تاب اور لاجواب نظموں کے سلسلے سے عقد مروارید کی دولت بے بہا خزینۂ اردو کو حاصل ہو رہی ہے۔

سید شبیر حسن